ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت
ملتان

11 نومبر 2014ء —— محرم الحرام 1436ھ

- مولانا فضل الرحمٰن پر قاتلانہ حملہ دینی وسیاسی قوتوں کے لیے لمحۂ فکریہ
- رقابتیں نہیں قرابتیں ہی قرابتیں
- متحدہ سنی محاذ کا احیاء!
- سابق قادیانی مربی محمد نذیر کی کہانی ان کی اپنی زبانی

رہبر عمر مرشد عمر آقا عمر مولا عمر
برتر عمر بالا عمر اعلیٰ عمر اولیٰ عمر

ذات نبی پاکؐ پر سَو جان سے شَیدا عمر
ایمان میں ، ایقان میں ، احسان میں یکتا عمر

ما بعدِ ختم المرسلینؐ کوئی نبی اٹھنا نہیں
یہ سلسلہ چلتا اگر تو اک نبی ہوتا عمر

بادِ بہاری کی طرح گزرا عراق و روم سے
ابرِ کرم بن کر اٹھا ایران پر برسا عمر

آقا میرے صدیق بھی آقا میرے عثمان بھی
اک طرف مولیٰ علی اک طرف مولا عمر

ہمارے دل اور زبانیں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کے ساتھ ہیں

سیدنا حسینؓ نے اپنے خطبہ میں خود فرمایا کہ ’’میرے گروہ کے افراد نے مجھے دھوکہ دیا‘‘ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کوفی دھوکہ بازوں منافقوں اور سبائی تحریک کی سازش کا شکار ہوئے۔ انھوں نے مکہ سے ثعلبیہ تک کا سفر اصلاحِ احوال کے لیے فرمایا۔ سازش عیاں ہونے پر ثعلبیہ سے کوفہ کی بجائے شام کا رخ اختیار کیا۔ یوں کربلا کا سفر‘ سفر قصاصِ مسلم بن عقیل ہے۔ کربلا میں آپ نے فرمایا: ’’میں اصلاحِ احوال کے لیے آیا ہوں‘‘ پھر تین شرائط مفاہمت کی پیشکش ہیں۔ سیدنا حسینؓ نے اگر یزید کی بیعت نہیں کی تو یہ ان کا اجتہادی حق تھا۔ بحیثیت صحابی رسول وہ اپنے اجتہاد پر قائم رہنے یا اس سے رجوع کرنے کا حق رکھتے تھے کہ مجتہد دونوں صورتوں میں ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ چنانچہ مکہ، ثعلبیہ اور کربلا تینوں مقامات پر جوں جوں صورتحال آپ پر واضح ہوتی گئی‘ آپ کا اجتہادی موقف بھی بدلتا رہا۔ اور سازشی کردار بھی واضح ہوتے چلے گئے۔ کربلا میں یقیناً ظلم ہوا۔ اس ظلم میں ملوث سازشی ظالم ناقابل معافی ہیں۔ ان ظالموں کی مذمت قیامت تک ہوتی رہے گی۔ سیدنا حسینؓ اور سیدنا علی زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ بن سیدنا حسینؓ اور دیگر گواہان وباقیاتِ کربلا کا موٗقف برحق ہے۔ ہمارے دل اور زبانیں سیدنا حسینؓ اور ان کے رفقاء کے ساتھ ہیں۔

مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

احرار ۱۹۲۹ء

توحید و ختمِ نبوّت کے علمبردار و ایک ہو جاؤ (سید ابوذر بخاری)

37 ویں سالانہ

ختمِ نبوّت کانفرنس

12 ربیع الاوّل 1436ھ | جامع مسجد احرار چناب نگر ضلع چنیوٹ

زیرِ سرپرستی

ابنِ امیرِ شریعت حضرت پیر جی

سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

امیر مجلس احرارِ اسلام پاکستان

مہمان خصوصی

حضرت مولانا صاحبزادہ

عزیز احمد دامت برکاتہم

نائب امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان

خانقاہ سراجیہ کُندیاں

پروگرام (ان شاء اللہ تعالیٰ)

- بعد نماز فجر درسِ قرآن کریم
- صبح دس بجے تا ظہر جملہ مکاتب فکر کے سرکردہ رہنماء، تحریک ختم نبوت کے قائدین، علماء، خطباء، زعماء احرار، وکلاء، صحافی، دانشور اور طالب علم رہنما عقیدۂ ختم نبوت، حیات سیدنا عیسیٰ علیہ السّلام، عصمت انبیاء، قادیانی جماعت کی بڑھتی ہوئی ارتدادی سرگرمیاں، تاریخ احرار اور محاسبۂ قادیانیت جیسے اہم موضوعات پر خطاب کریں گے۔

جلوس دعوتِ اسلام حسب سابق بعد نماز ظہر قادیانیوں کو دعوتِ اسلام کا فریضہ دہرانے کے لیے فرزندانِ اسلام، مجاہدینِ ختم نبوت اور سرخ پوشانِ احرار کا عظیم الشان جلوس مسجد احرار سے روانہ ہوگا، دورانِ جلوس مختلف مقامات پر زُعماء احرار خطاب فرمائیں گے۔

حضرت امیر شریعت سے منسوب خطبہ انٹرنیٹ پر حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ایک عربی خطبہ چل رہا ہے۔ یہ صریحاً جھوٹ ہے۔ نہ امیر شریعت کی آواز ہے اور نہ الفاظ۔ حضرت کی آواز میں ۱۹۵۶ء کی ایک تقریر کا اقتباس ہمارے ہاں دستیاب ہے۔ اس کے علاوہ حضرت امیر شریعت کی آواز سے منسوب تمام تقاریر جعلی ہیں۔

منجانب: شعبہ تبلیغ تحفظِ ختمِ نبوّت مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

چناب نگر: 0301-3138803 گجرات: 0301-6221750
ملتان: 061-4511961 چیچہ وطنی: 040-5482253
لاہور: 042-35912644 تلہ گنگ: 0300-5780390

ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

بیاد: سید الاحرار حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی: ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

جلد 25 شمارہ 11 محرم 1436ھ — نومبر 2014ء

Regd.M.NO.32, I.S.S.N.1811-5411

تشکیل

دل کی بات:	مولانا فضل الرحمن پر قاتلانہ حملہ دینی و سیاسی قوتوں کے لیے لمحۂ فکریہ	مدیر	2
شذرہ:	آسیہ مسیح کی سزا کی توثیق	عبداللطیف خالد چیمہ	3
افکار:	متحدہ سنی محاذ کا احیاء!	عبداللطیف خالد چیمہ	4
دین و دانش:	امیر المؤمنین، سیدنا عمر ابن الخطاب سلام اللہ و رضوانہٗ علیہ	سید عطاء المنان بخاری	7
//	عاشورہ محرم	پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی	13
//	رقابتیں نہیں قرابتیں ہی قرابتیں	پروفیسر حمزہ نعیم	22
//	صحابۂ کرام، خصوصاً ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے سیدنا علی اور خانوادہ حسنین رضی اللہ عنہم کی متواتر رشتہ داریاں (آخری قسط)	مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی	31
ادبیات:	تقریر میں مقامی زبان کی اہمیت	خالد ہمایوں	34
//	ذوالکفل بخاریؒ کی نظم "کتبہ" — ایک نوحۂ ناتمام	محمد الیاس کبیر	37
//	نعتِ رسولِ مقبول ﷺ	سلمان قریشی	41
//	نعت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم	یوسف طاہر قریشی	42
//	فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ	سرور بجنوری	43
//	مشعلِ راہِ وفا، فاروقِ اعظمؓ آپ ہیں	خالد شفیق	43
//	منقبت حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ	یوسف طاہر قریشی	44
آپ بیتی:	ورق ورق زندگی (قسط:۳۱)	پروفیسر خالد شبیر احمد	45
مطالعۂ قادیانیت:	مرزا قادیانی کے دعوے اور ان کا انجام و نتیجہ	مولانا عبداللطیف مسعود رحمہ اللہ	52
انٹرویو:	سابق قادیانی مربی محمد نذیر کی کہانی..... ان کی اپنی زبانی (پہلی قسط)	منصور اصغر راجہ	54
اخبار الاحرار:	مجلس احرار اسلام پاکستان کی سرگرمیاں	ادارہ	60
ترحیم:	مسافرانِ آخرت	ادارہ	64

فیضانِ نظر

حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ سرپرستی

ابنِ امیرِ شریعت حضرت پیرجی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

مدیر مسئول

سید محمد کفیل بخاری

kafeel.bukhari@gmail.com

رفقاءِ فکر

عبداللطیف خالد چیمہ • پروفیسر خالد شبیر احمد

مولانا محمد مغیرہ • محمد عمر فاروق

قاری محمد یوسف احرار • میاں محمد اویس

سید صبیح الحسن ہمدانی

sabeeh.hamdani@gmail.com

سید عطاء المنان بخاری

atabukhari@gmail.com

تزئین

محمد نعمان سنجرانی

nomansanjrani@gmail.com

سرکولیشن منیجر

محمد یوسف شاد 0300-7345095

زرِ تعاون سالانہ

اندرون ملک —— 200/- روپے

بیرون ملک —— 4000/- روپے

فی شمارہ —— 20/- روپے

ترسیلِ زر بنام: ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت

بذریعہ آن لائن اکاؤنٹ نمبر: 1-5278-100

بینک کوڈ 0278 یو بی ایل ایم ڈی اے چوک ملتان

رابطہ

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

☎ 061-4511961

www.ahrar.org.pk
www.alakhir.com
majlisahrar@hotmail.com
majlisahrar@yahoo.com

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوۃ شعبۂ تبلیغ مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل نو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

دل کی بات　　　　مدیر

مولانا فضل الرحمٰن پر قاتلانہ حملہ دینی وسیاسی قوتوں کے لیے لمحۂ فکریہ

جمعیت علماء اسلام کے امیر مولانا فضل الرحمٰن ۲۳؍ اکتوبر کو صادق شہید گراؤنڈ کوئٹہ میں ''مفتی محمود کانفرنس'' سے خطاب کے بعد واپسی پر جونہی گاڑی میں بیٹھے، خودکش بمبار نے اپنے آپ کو دھماکے سے اڑا لیا۔ حملے میں جمعیت کے دو کارکن شہید اور ۳۲؍ افراد شدید زخمی ہوئے۔ جبکہ مولانا فضل الرحمٰن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے محفوظ رہے۔ مولانا پر یہ تیسرا قاتلانہ حملہ ہے۔ تینوں حملوں میں دشمن نے اپنی طرف سے مولانا کو راستے سے ہٹانے کی کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن ''جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔'' مولانا پر حملے سے قبل اسی روز کوئٹہ میں ہزارہ قبیلے کے مزدوروں کی بس پر فائرنگ کر کے آٹھ افراد کو قتل کیا گیا اور قمبرانی میں ایف سی قافلے پر ریموٹ حملے میں تین راہ گیر جاں بحق اور دو اہل کاروں سمیت بارہ افراد زخمی ہوئے۔ یہ تینوں واقعات ایک ہی دن یکے بعد دیگرے ہوئے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق ایرانی شدت پسند تنظیم جنداللہ نے مولانا فضل الرحمٰن پر حملے کی ذمہ داری قبول کی ہے۔

وزیراعلیٰ بلوچستان ڈاکٹر عبدالمالک نے کہا ہے کہ: ''مولانا پر حملہ کرنے والوں کے قریب پہنچ گئے ہیں۔''

افسوس ناک بات یہ ہے کہ مولانا پر ہونے والے ہر حملے کے بعد یہی طے شدہ گھسا پٹا جملہ دہرا کر جھوٹی تسلیاں دی گئیں۔ معلوم نہیں کہ ریاستی حساس ادارے حملہ آوروں کے قریب پہنچ کر خاموش کیوں ہو جاتے ہیں؟ سوال یہ ہے کہ یہ دہشت گرد کون ہیں؟ آخر علماء ہی سب سے زیادہ ان کی دہشت گردی کا نشانہ کیوں ہیں؟ گزشتہ سال ۱۰ محرم کو تعلیم القرآن راولپنڈی کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا۔ اب محرم کی آمد سے قبل پھر تعلیم القرآن کے مفتی امان اللہ شہید کر دیے گئے۔ اور تازہ نشانہ مولانا فضل الرحمٰن کو بنایا گیا۔

اخباری اطلاعات کے مطابق دہشت گردوں نے بلوچستان کو محفوظ پناہ گاہ سمجھتے ہوئے اسے اپنا مرکز بنا لیا ہے۔ شدت پسند تنظیم ''داعش'' کے بلوچستان میں رابطوں کی خبریں بھی آ رہی ہیں۔ ہمارے نزدیک عالمی استعمار عراق وشام میں فرقہ وارانہ فسادات کی جنگ بھڑکانے کے بعد اب پاکستان اور ایران کو بھی اس آگ میں جھونکنا چاہتا ہے۔ سرحدوں پر بھارتی فورسز کی مسلسل بلا اشتعال فائرنگ اور ایرانی فورسز کی طرف سے پاکستانی علاقوں میں گھس کر بار بار فائرنگ، گولہ باری، علماء پر حملے اور ان کا قتل بین الاقوامی سازش کا حصہ ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن اس وقت آخری شخصیت ہیں جو پارلیمنٹ میں اسلام کا مقدمہ لڑ رہے ہیں۔ ان کی سیاسی جدوجہد ہمیشہ پرامن رہی اور وہ عدم تشدد کی پالیسی پر کاربند رہے۔ مولانا فضل الرحمٰن پر قاتلانہ حملہ، حکمرانوں، سیاست دانوں اور تمام دینی وسیاسی قوتوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ خصوصاً دینی قوتوں کے متحد ہونے کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے۔ اگر دین دشمنوں کو مولانا جیسی امن پسند شخصیت بھی قبول نہیں تو پھر انہیں کوئی بھی قبول نہیں۔ مجلس احرار اسلام پاکستان کے امیر مولانا سید عطاء المہیمن بخاری نے کہا ہے کہ اہل حق کی تمام جماعتیں مولانا فضل الرحمٰن کے ساتھ ہیں۔ مولانا تنہا نہیں۔ حکمران یاد رکھیں اگر خدانخواستہ مولانا کو کچھ ہوا تو پھر ملک میں امن کا خواب بکھر جائے گا۔ مولانا فضل الرحمٰن پر حملہ کرنے والوں کو گرفتار کیا جائے اور اس گروہ کو قوم کے سامنے بے نقاب کیا جائے۔

عبداللطیف خالد چیمہ

آسیہ مسیح کی سزا کی توثیق

توہین رسالت کے مشہور مقدمے میں ننکانہ صاحب کی عدالت کی طرف سے آسیہ مسیح کو سنائی جانے والی سزائے موت کو لاہور ہائیکورٹ نے برقرار و بحال رکھا ہے۔جس کا ملک بھر میں خیر مقدم کیا گیا۔ جب کہ لادین طبقات، غیر ملکی سرمائے پر چلنے والی این جی اوز اور مغربی میڈیا نے اس پر شور مچایا۔۱۴؍جون ۲۰۰۹ء کو مقامی خطیب قاری محمد سالم کی مدعیت میں زیر دفعہ 295/C تھانہ صدر ننکانہ صاحب میں مقدمہ درج ہوا تھا۔اس کے بعد اس وقت کے گورنر پنجاب سلمان تاثیر اور وفاقی وزیر شہباز بھٹی جیسے لوگ آسیہ مسیح اور اس کے قبیح فعل کی حمایت میں متحرک ہو گئے تھے۔سلمان تاثیر نے ڈسٹرکٹ جیل شیخوپورہ میں آسیہ مسیح کے ساتھ ملاقات کے بعد توہین رسالت کو ''کالا قانون'' قرار دیا اور اس کے حق میں پوری کمپین چلائی۔ہم ان صفحات پر اس مقدمہ کی تفصیل شائع کر چکے ہیں اور اب اس پر عدالت میں کیس کی سماعت کے دوران سزائے موت کی توثیق کی مکمل تائید کرتے ہوئے اسے قانون کی حکمرانی اور مسلمانوں کے ایمان وعقیدے کی ترجمانی سے تعبیر کرتے ہیں۔ذرائع ابلاغ کے ذریعے یہ اطلاعات مسلسل آرہی ہیں کہ آسیہ مسیح کو رمشا مسیح کی طرح ملک سے فرار کرانے کی مذموم کوششیں جاری ہیں جب کہ ۱۸؍اکتوبر کو بلاول بھٹو زرداری کراچی کے جلسۂ عام میں آسیہ مسیح کیس میں توہین رسالت کی بے جا حمایت کرنے والے اور توہین رسالت کے مرتکب سابق گورنر پنجاب سلمان تاثیر کو شہید قرار دے چکے ہیں۔

سیاست دانوں، مقتدر قوتوں اور حکمرانوں کو کان کھول کر سن لینا چاہیے کہ اللہ سے بغاوت اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی سزا بہت کڑی ہے۔اور پھر ایک عدالت ایسی آنے والی ہے جہاں دھونس، دھاندلی، دھرنوں اور جھوٹے خوابوں کی جھوٹی تعبیر سے ہرگز کام نہ چلے گا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ قانونی و عدالتی پراسیس کے مطابق لاہور ہائیکورٹ کے دو رکنی بینچ نے جو،جسٹس انوار الحق اور جسٹس شہباز علی نقوی پر مشتمل تھا، سزائے موت کا فیصلہ برقرار رکھتے ہوئے آسیہ کی اپیل مسترد کر دی۔ آسیہ اور توہین رسالت کے حامی حلقے اس پر پریشان بلکہ غصے میں ہیں۔ یورپی یونین نے اس فیصلے کو ہدف تنقید بنایا ہے۔اصل ایجنڈا عالمی کنونشن کی قرارداد اور فیصلے کی روشنی میں سزائے موت کے قانون کو سرے سے ختم کرانا ہے۔ جو قرآن وسنت کے صریحاً خلاف اور مسلمانوں کے ایمان میں مداخلت ہے۔ان سطور کے ذریعے ہم دینی حلقوں اور سرکردہ مذہبی شخصیتوں سے بھی درخواست کریں گے کہ وہ سیاسی وگروہی اور طبقاتی وابستگیوں سے بالاتر ہو کر قانونِ تحفظ ناموس رسالت کے خلاف عالمی اداروں اور اُن کے ایجنٹوں بالخصوص قادیانیوں کی کفر ساز کارروائیوں کو روکیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اور اپنے خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت نصیب فرمائے۔آمین یارب العالمین

عبداللطیف خالد چیمہ

متحدہ سنی محاذ کا احیاء!

پاکستان کی کم وبیش 95 فیصد آبادی کا تعلق اہلسنت والجماعت سے ہے اور مختلف مسالک کے فروعی اختلافات کے باوجود دین کے بنیادی اصولوں پر سب کا اتفاق ہے اور انتشار وافتراق اور نامساعد حالات کے باوجود اتحاد بین المسلمین کے مظاہر بھی ساتھ ساتھ نظر آتے رہتے ہیں۔ اگر ہم شیعہ سنی کشمکش کا جائزہ لیں تو اِس گرم جنگ نے جانبین کا اب تک کتنا نقصان کر دیا ہے، اس کے تصور سے دل دہل جاتا ہے، علمی وسنجیدہ حلقوں نے کبھی بھی اس جنگ کی تائید نہیں کی اور نہ ہی کی جاسکتی ہے، اس جنگ کو لگانے اور بڑھکانے کے لیے بیرونی قوتوں اور ان کے مقامی ایجنٹوں نے کیا کردار ادا کیا اور اِس حوالے سے مشرق وسطیٰ کے ذریعے سے کیا کچھ مزید ہونے جارہا ہے، اِس کا احساس وادراک کرنا اہلسنت کے تمام حلقوں اور سرکردہ شخصیات کی ذمہ داری ہے تاکہ لگی اس آگ کو ٹھنڈا کیا جاسکے یا پھر کم از کم مزید پھیلنے سے بچایا جاسکے، ماضی بعید اور ماضی قریب کی بعض مؤثر کوششوں کو مشعل راہ بنا کر شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی، مولانا عبدالرؤف فاروقی اور راقم الحروف نے متعدد موقعوں پر اس پر مشاورت کی اور اس حوالے سے کام کرنے والے رہنماؤں اور کارکنوں کو توجہ دلائی کہ دنیا کے ہر روز بدلتے حالات اور خطے کی معروضی صورتحال کے پیش نظر ہمیں فکری ونظریاتی محاذ کو ہرگز نظر انداز نہیں کرنا چاہیے اور اس حوالے سے بیرونی مداخلت کو روکنے یا کم از کم اپنے حلقوں کو صحیح صورتحال سے باخبر رکھنے کے لیے کردار ادا کرنا چاہیے، عملاً مایوسی کے بعد 28 ستمبر 2014ء، اتوار ظہر کے بعد جامع مسجد خضریٰ سمن آباد لاہور میں مولانا زاہدالراشدی، مولانا عبدالرؤف فاروقی اور راقم الحروف نے اپنی اپنی جماعتوں کے سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے اِس مشاورت کو اتفاق رائے سے فائنل کر لیا کہ ایران میں خمینی انقلاب کے بعد پاکستان اور خطے میں جو کشیدگی پیدا ہوئی اُس کے اثرات کے تدارک کے لیے 1988ء میں حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ (کراچی) کی سربراہی میں اہلسنت کے حقوق کی بازیابی وبحالی کے لیے جو ''متحدہ سنی محاذ'' قائم کیا گیا تھا اُس محاذ کو از سرِ نو متحرک کرنے کی ضرورت ہے، چنانچہ مولانا عبدالرؤف فاروقی کو محاذ کا کنوینئر مقرر کیا گیا۔ مزید باہمی مشاورت جاری رہی تاآنکہ 19 اکتوبر 2014ء، اتوار بعد نماز عصر ہم تینوں اصحاب، مولانا قاری محمد طیب حنفی (بورے والا) کے اضافے کے ساتھ پھر اکٹھے ہوئے اور لمبی مشاورت کے بعد اخبارات کے لیے جو پریس ریلیز جاری کی گئی اس کا متن درج ذیل ہے۔

''متحدہ سنی محاذ نے فیصلہ کیا ہے کہ اہلسنت کے اصولی وقانونی حقوق کے تحفظ کی پرامن جدوجہد کو آگے بڑھانے کیلئے 1973ء میں مختلف مکاتب فکر کے ایک ہزار علماء کرام کی طرف سے جو دستاویز اس وقت کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کی خدمت میں پیش کی گئی تھی کو مشعل راہ بنا کر رائے عامہ کو ہموار کرے گی اور اس مقصد کیلئے عاشورہ محرم الحرام کے بعد قومی

سطح پر ’’سنی مجلس مشاورت‘‘ لاہور میں منعقد ہوگی جس میں کراچی سے پشاور تک کی نمائندہ شخصیات کو مدعو کیا جائیگا، یہ فیصلہ متحدہ سنی محاذ کے بانی ارکان مولانا زاہدالراشدی، مولانا عبدالرؤف فاروقی، عبداللطیف خالد چیمہ اور قاری محمد طیب حنفی نے جامعہ مسجد خضریٰ سمن آباد لاہور میں منعقدہ اجلاس میں کیا، اجلاس کی صدارت محاذ کے کنوینر مولانا عبدالرؤف فاروقی نے کی۔ مشرق وسطٰی میں پھیلی شیعہ سنی کشمکش اور پاکستان میں اس کے اثرات کے حوالے سے اجلاس میں طویل غور وخوض کے بعد قرار پایا کہ قتل وغارت گری اور فسادات کسی طور بھی ملک وملت کے حق میں نہیں ہیں اور ان کی مذمت کا عمل آگے بڑھایا جائیگا۔ اجلاس میں طے پایا کہ 1973ء میں مختلف مکاتب فکر کے ایک ہزار علماء کرام نے سنی مطالبات کے حوالے سے اس وقت کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کو جو میمورنڈم پیش کیا تھا اور 1988ء میں مولانا مفتی احمدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ (کراچی) کی سربراہی میں ’’متحدہ سنی محاذ‘‘ قائم کر کے جو مطالبات پیش کیے تھے ان کو سامنے رکھ کر ’’متحدہ سنی محاذ‘‘ کو دوبارہ منظم ومتحرک کیا جا رہا ہے اور اس کے لئے تمام متعلقہ حلقوں اور جماعتوں سے رابطہ اور مشاورت کر کے محرم الحرام کے دوسرے عشرے میں ’’سنی مجلس مشاورت‘‘ لاہور میں طلب کی جائیگی، اجلاس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ دارالعلوم تعلیم القران راجہ بازار راولپنڈی کے گزشتہ سال کے المناک سانحہ کے بارے میں حقائق کو منظر عام پر لا کر اس کے اسباب وعوامل کے سدباب کیلئے فوری اقدامات کیے جائیں کیونکہ محرم الحرام دوبارہ قریب آرہا ہے اور راجہ بازار کے سانحہ کے بارے میں کوئی سنجیدہ کارروائی سامنے نہیں آئی جس سے مزید خدشات جنم لے رہے ہیں اور عدم تحفظ کا احساس بڑھ رہا ہے۔ اجلاس میں دارالعلوم تعلیم القران راولپنڈی کے نائب مہتمم مولانا مفتی امان اللہ قتل کیس کے ملزمان کا سراغ لگا کر کیفر کردار تک پہنچانے کا مطالبہ بھی کیا گیا اور کہا گیا کہ اہل سنت سے تعلق رکھنے والے علماء کرام اور کارکنوں کے پے در پے قتل نے صورت حال کو گھمبیر کر کے رکھ دیا ہے اور حکومت اور قانون نافذ کرنے والے ادارے اپنی غیر جانبداری ثابت کرنے میں بُری طرح ناکام ہوتے ہوئے نظر آرہے ہیں جس سے اہل سنت کے تمام طبقات میں غم وغصہ بڑھا ہے۔ متحدہ سنی محاذ کے کنوینر مولانا عبدالرؤف فاروقی نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے تمام دینی جماعتوں اور مسالک سے اپیل کی ہے کہ وہ اس سلسلہ میں سنجیدگی کا مظاہرہ کریں اور اہلسنت کے چودہ سوسالہ متفقہ وموروثی عقائد اور حقوق ومفادات کے تحفظ کے لئے مشترکہ لائحہ عمل کی طرف آئیں تاکہ پچانوے فیصد اکثریت پر مشتمل سنی اکثریت کے حقوق کی پامالی کے خطرناک سلسلے کے آگے مؤثر اور مضبوط بند باندھا جاسکے۔‘‘

بعد ازاں (اسی رات) نو بجے شب کے لگ بھگ مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے مرکزی رہنماؤں کا جو اجلاس مرکزی دفتر نیو مسلم ٹاؤن لاہور میں ہوا اُس کی پریس ریلیز یہ ہے۔

’’مجلس احرارِ اسلام پاکستان نے تحریک مقدس تحفظ ختم نبوت کو جدید بنیادوں پر اُستوار کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور کہا ہے کہ قیام حکومتِ الٰہیہ، تحفظ ختم نبوت اور تحفظ ناموس صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی پُرامن جدوجہد ہر حال میں جاری رکھی جائے گی، مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے مرکزی رہنماؤں کا ایک ہنگامی اجلاس دفتر احرار لاہور میں مجلس

احرارِ اسلام پاکستان کے نائب امیر سید محمد کفیل بخاری کی صدارت میں منعقد ہوا اور اس میں مرکزی سیکرٹری جنرل عبد اللطیف خالد چیمہ، ملک محمد یوسف، میاں محمد اویس، قاری محمد یوسف احرار، قاری محمد قاسم اور دیگر نے شرکت کی، اجلاس میں ''متحدہ سنی محاذ'' کو دوبارہ منظّم و متحرک کرنے کے فیصلے کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ سنی علماء اور کارکنوں کی شہادتوں کے مسئلہ پر اپنی غیر جانبداری کو یقینی بنائے اور فسادات کو روکنے کے لیے توہینِ صحابہ کو روکے، سید محمد کفیل بخاری نے صدارتی خطاب میں کہا ہے کہ بعض معاملات میں حکومت کے یکطرفہ اقدامات فسادات کا موجب ہیں، انہوں نے کہا کہ اہلسنت کے مدارس و مساجد کے سامنے سے ماتمی جلوسوں کے راستے تبدیل کیے جائیں، اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ 12 ربیع الاوّل کو چناب نگر میں ہونے والی آل پاکستان ''احرار ختمِ نبوت کانفرنس'' کے ابتدائی انتظامات کے لیے 24 اکتوبر کو جامع مسجد احرار چناب نگر میں مشاورتی اجلاس ہوگا، جبکہ انتظامی کمیٹیوں کے ذمہ داران اور ارکان کا ملک گیر اجلاس 21 نومبر کو چناب نگر ہی میں ہوگا، اجلاس میں لاہور ہائی کورٹ کی طرف سے آسیہ مسیح کی سزائے موت کے فیصلے کو بحال رکھنے کا خیر مقدم کیا گیا اور ایسی خبروں پر تشویش کا اظہار کیا گیا کہ بعض مقتدر حلقے رمشا کی طرح آسیہ مسیح کو پاکستان سے بیرون ملک بھجوانا چاہتے ہیں اور کہا گیا کہ اس قسم کی خبروں سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ امریکہ، یورپی یونین اور خود ہمارے حکمران توہین رسالت کے ملزمان کی سرپرستی کررہے ہیں۔ عبد اللطیف خالد چیمہ نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آسیہ مسیح کو قانون کے مطابق سزا سنائی گئی اور لاہور ہائی کورٹ نے قانون کے مطابق سزا کو بحال رکھا۔ انہوں نے کہا کہ کسی قسم کی ماورائے آئین و عدالت آسیہ مسیح کو رعایت دی گئی تو اس کی نحوست کا وبال حکمرانوں پر آئے گا۔''

شیعہ سنی کشمکش کے حوالے سے یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ ماتمی جلوسوں کو شاہراؤں پر لاکر فسادات کبھی ختم نہیں ہوسکتے، شیعہ عبادت کو اُن کے عبادت خانوں تک محدود کرنا ضروری ہے، ایران میں 65 فیصد شیعہ آبادی کی بنا پر ایرانی دستور میں ایران کو شیعہ سٹیٹ ڈیکلیئر کیا گیا ہے اور وہاں محرم کی مجالس چار دیواری اور عبادت خانوں تک محدود ہیں۔ ایران میں 30/35 فیصد سنیوں کو وہ حقوق حاصل نہیں جو پاکستان میں 2/3 فیصد شیعہ کمیونٹی کو حاصل ہیں، اندریں حالات حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید و تنقیص کو روکنے کے لیے مؤثر قانون سازی کی جائے، پاکستان کو سنی سٹیٹ قرار دینا سنی اکثریت کا جائز مطالبہ ہے اور اس سے دائرہ کار طے ہوجائے گا بصورت دیگر اس شورش کو دبانا ناممکن نظر آتا ہے۔ امام اہلسنت، قائد احرار، جانشینِ امیر شریعت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ''بقول'' ہم غیروں سے کچھ چھیننا نہیں چاہتے! بلکہ صرف اپنے اصول و عقائد کی تبلیغ، عبادات و شعائر کے بقاء، اپنے تمام اکابر کی یاد منانے اور ان کے فضائل و مناقب کی اشاعت و تشہیر نیز ان کے احترام و تعظیم کے لیے مکمل تحفظ کے سلسلہ میں اپنے ''غصب شدہ حقوق کی بازیابی و بحالی'' ہمارا مطمع نظر ہے۔　　　　وما علینا الا البلاغ

سید عطاء المنان بخاری

امیر المؤمنین، امام المتقین، فاتح روم وایران، خسر احمد مجتبیٰ، داماد علی مرتضیٰ

سیدنا عمر ابن الخطاب سلام اللہ ورضوانہٗ علیہ

بنو عدی کے چشم وچراغ، فصیح اللسان، بلیغ البیان، فاتح روم وایران، مرادِ رسول، خسر احمد مجتبیٰ، داماد علی مرتضیٰ، خلیفۃ خلیفۃ الرسول، امیر المومنین، امام المتقین، وزیر درّ یتیم، خلیفہ ثانی، امامِ عادل وراشد وبرحق سیدنا عمر الفاروق ابن الخطاب جو کہ السابقون الاولون میں شمار ہوتے ہیں عرب کے جری وبہادر سپوتوں میں سے ایک تھے۔ آپ کے مقابلے کا آدمی قریش میں اس وقت نہیں تھا۔ مکہ کی فضائیں ابھی اسلام سے مانوس ہو رہی تھیں اور اہل اسلام قریش مکہ کے ظلم وجبر کی چکیوں میں پس رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ کی سرزمین پر رکھی ہوئی جبین مبارک، خشیت الٰہی سے آپ کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسو اور آسمان کی طرف مدد ونصرت کی آس لیے بار بار اٹھنے والے ہاتھوں اور لسان نبوت سے جاری دعاؤں کا جواب ملنے والا تھا۔

قبول اسلام:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں حضرت ارقم بن ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں حضرات صحابہ کرام کے ایمانوں کو جلا بخش رہے تھے کہ آپ کی دعا **اللّٰھم أعز الاسلام بعمر ابن الخطاب خاصة.** اے اللہ! خاص طور پر عمر ابن الخطاب کے ذریعے اسلام کو عزت بخش۔ (ابن ماجہ، ج ۱، ص ۳۹) کی قبولیت کی گھڑی بھی آ گئی سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کی غرض سے گھر سے روانہ ہوئے اور بیت اللہ شریف کی طرف چلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ سیدنا عمر بیت اللہ کے غلاف میں چھپتے چھپاتے حضور کی تلاوت سننے کی غرض سے آپ کے قریب پہنچے اور تلاوت سن کر خیال پیدا ہوا کہ جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا کہ آپ شاعر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ الحاقہ کی تلاوت فرما رہے تھے آپ نے یہ آیات تلاوت کیں **وما ھو بقول شاعر.** یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے۔ حضرت عمر کو خیال آیا کے یہ تو کاہن ہے کہ اس نے میرے دل کی بات معلوم کر لی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اگلی آیت تلاوت کی **ولا بقول کاھن** یہ کسی کاہن کا کلام بھی نہیں ہے **تنزیل من رب العلمین.** بلکہ جہانوں کے رب کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ یہ سن کر سیدنا عمر کے دل میں اسلام اسی وقت موجزن ہو گیا اور بالآخر آپ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اسلام قبول کر لیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا ایک واقعہ معروف ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے شمشیر بدست نکلے اور پھر بہن اور بہنوئی کے اسلام کی خبر سنی تو ان کے پاس گئے وہ سورۃ طٰہٰ تلاوت کر رہے تھے ان کو خوب

مارالیکن جب بہن نے کہا ''اے خطاب کے بیٹے! تجھ سے جو کچھ ہوسکتا ہے کرلے ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو قبول کرلیا ہے۔'' تو دل کسی قدر پسیجا، پھر جب سورۃ طٰہٰ کی آیات جب آپ رضی اللہ عنہ کے قلب سے ٹکرائیں تو دل میں اتر گئیں اور آنکھیں پرنم ہوگئیں۔ رسالت مآب کی دعاؤں کا جواب، اسلام کی عزت عمر کے روپ میں مجسم ہوکر اسی طرح ہاتھ میں تلوار تھامے دارِ ارقم کے دروازے پر آگئی۔ امام اہل سنت جانشین امیر شریعت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب نکتہ ارشاد فرمایا کہ عمر نبی کے محافظ بن کر آئے تھے اور محافظ اسلحہ سے لیس ہوتا ہے اسی لیے تلوار ساتھ تھی، اگر تلوار دست مبارک میں نہ ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی قبولیت پوری طرح سے ظاہر نہ ہوتی، کیونکہ عزت کاملہ تو سیف وسنان کے ساتھ ہی ہے۔'' عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں حاضر ہوئے دروازہ پر دستک دی۔ صحابہ پریشان ہوگئے کہ عمر ہیں اور تلوار لے کر آئے ہیں۔ سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی پریشانی کو دیکھ کر فرمایا: دروازہ کھول دو اور آنے دو اور سن لو! عمر اگر اطاعت حق اور قبول اسلام کے ارادہ سے آیا ہے تو اہلاً وسہلاً اور اگر کسی ایذا رسانی کے ارادہ سے آیا ہے تو اسی کی تلوار ہوگی اور اسی کا سر۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے خطاب کے بیٹے اسلام لا اور پھر یہ دعا فرمائی: **اللھم اھد**. اس دن سے اسلام کی عزت میں روزافزوں اضافہ ہونے لگا۔

نام ونسب:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قریش کے قبیلہ بنوعدی سے تھے اور آٹھویں پشت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کا نسب مل جاتا ہے۔ آپ کی صاحبزادی ام المومنین سیدہ حفصہ سلام اللہ علیہا کو حضور کی زوجہ مطہرہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر ومشیر اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مشیر اعلیٰ تھے۔ آپ تمام غزوات میں برابر شریک ہوتے رہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر سب سے پہلے بیعت کی اور آپ کے بعد انصار ومہاجرین نے بیعت کی۔ قرآن کے بہت سے احکامات موافقات عمر رضی اللہ عنہ میں سے ہیں۔

پہلا خطبۂ خلافت:

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وفات سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بطور خلیفہ نامزد فرمایا تھا۔ چنانچہ ان کے انتقال پرملال کے بعد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مومنوں کے امیر وخلیفہ مقرر ہوئے۔ آپ نے منصب خلافت پر سرفراز ہوتے ہی پہلا خطبہ یہ ارشاد فرمایا:

> ''لوگو! میں تم ہی میں سے ایک ہوں اگر مجھے خلیفۂ رسول کی حکم عدولی گوارا ہوتی تو میں ہرگز یہ منصب قبول نہ کرتا۔
> لوگو! اللہ تعالیٰ نے میرے دورُفقاء کے بعد مجھے تم میں باقی رکھ کر میرے ساتھ تمہیں اور تمہارے ساتھ مجھے آزمایا ہے۔
> بخدا تمہارا جو معاملہ میرے سامنے آئے گا اسے میرے سوا کوئی اور طے نہ کرے گا اور جو میری نگاہوں سے دور ہوگا اس میں بھی اپنی استطاعت کے مطابق کفایت وامانت کو ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا۔ اگر لوگوں نے میرے ساتھ بھلائی کی تو میں بھی ان کے ساتھ بھلائی کروں گا اور اگر وہ برائی سے پیش آئے تو میں انہیں سزا دوں گا۔''

دوسرا خطبہ:

خلافت کے پہلے روز ہی سے آپ کی بیعت کا سلسلہ شروع ہوگیا جو تین چار روز تک جاری رہا۔ آپ نے مسلمانوں کو حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عراق کے محاذِ جہاد کی طرف جانے کی دعوت دی تو لوگ آپ کی بات سنتے رہے اور منہ تکتے رہ جاتے کہ ایرانیوں کا مقابلہ کون کرے گا دو دن تک کوئی جواب نہ آیا۔ امیر المومنین تیسرے روز جب گھر سے باہر تشریف لائے اور لوگوں کی بیعت سے فارغ ہوئے۔ لوگوں کی نگاہیں آپ پر جمی تھیں آپ نے لوگوں کے چہرے پڑھ لیے تھے۔ آپ منبر پر تشریف لائے اور ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوگ میری سختی سے ڈرتے ہیں اور میری درشتی سے کانپتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عمر اس وقت بھی ہم پر سختی کرتا تھا جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک سایہ ہمارے سروں پر قائم تھا۔ پھر وہ اس وقت بھی ہم سے سختی کا برتاؤ کرتا تھا جب ہمارے اور ان کے درمیان ابوبکر حائل تھے۔ اب کیا ہوگا جب کہ تمام معاملات کی زمام اس کے ہاتھ میں ہے اور جو بھی یہ کہتا ہے درست کہتا ہے...... مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا شرف حاصل تھا۔ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اور ادنیٰ خادم تھا۔ اور کوئی نہ تھا جو نرمی اور رحم دلی میں آپ کے درجہ کو پہنچ سکتا۔ جیسا کہ اللہ نے بھی فرمایا کہ وہ مومنین کے لیے راحت ورحمت کا سرچشمہ ہیں۔ بارگاہ نبوت میں میری حیثیت ایک برہنہ تلوار کی تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے مجھے نیام میں فرمالیتے اور جب چاہتے اذن کار عطا فرمادیتے۔ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اسی طرح رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس بلالیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخر وقت تک مجھ سے راضی اور خوش رہے۔ اس سعادت پر مجھے فخر ہے اور میں اللہ تعالیٰ کا شکر فراواں ادا کرتا ہوں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد مسلمانوں کی زمام کار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی جن کے تحمل اور نرمی اور قوت برداشت سے کسی کو انکار نہیں۔ اور میں ان کا بھی خادم اور مددگار تھا۔ اپنی سختی کو ان کی نرمی میں سمودیتا تھا۔ میں ایک برہنہ شمشیر تھا جسے وہ نیام میں کرلیتے تھے یا اپنا کام کرنے کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ میں اس طرح ان کے ساتھ بھی رہا یہاں تک اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف بلالیا۔ وہ بھی آخر دم تک مجھ سے خوش اور راضی تھے۔

اور اے لوگو! اب تمہارے معاملات کی ذمہ داری میرے کاندھوں پر ڈال دی گئی ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ سختی اب نرمی میں تبدیل ہوگئی ہے۔ لیکن ان لوگوں کے لیے بدستور قائم ہے جو مسلمانوں پر ظلم اور زیادتی کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو امن وسلامتی سے زندگی بسر کرتے ہیں اور جرأت ایمانی رکھتے ہیں ان کے لیے میں سب سے زیادہ نرم ہوں۔ اگر کوئی کسی پر ظلم اور زیادتی کرے گا تو میں اس وقت اسے نہیں چھوڑوں گا جب تک اس کا ایک رخسار زمین پر نہ لگادوں اور دوسرے رخسار پر اپنا پاؤں نہ رکھ دوں۔ یہاں تک کہ وہ حق کے سامنے سپر انداز نہ ہوجائے۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ اپنی تمام تر شدت کے باوجود اہل عفاف اور اہل کفاف کے لیے خود اپنا رخسار زمین پر رکھ دوں گا۔

لوگو! مجھ پر تمہارے چند حقوق ہیں جو تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں۔ اپنے یہ حق مجھ سے حاصل کرلو۔ مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ تمہارے خراج اور اس غنیمت میں سے جو اللہ تعالیٰ تمہیں عطا کرے کوئی شئے ناحق نہ لوں۔ مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ جب تم میں سے کوئی میرے پاس آئے تو مجھ سے اپنا حق لے کر جائے۔ مجھ پر تمہارا حق یہ ہے میں تمہارے عطیات ووظائف میں اضافہ اور تمہاری سرحدوں کو مستحکم کردوں۔ اور مجھ پر تمہارا حق یہ ہے کہ تمہیں ہلاکت میں نہ ڈالوں۔ تمہیں گھر

واپس آنے سے نہ روکے رکھوں اور جب تم کسی جنگ پر جاؤ تو ایک باپ کی طرح تمہارے اہل وعیال کی نگہداشت کروں۔
اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ مجھ سے درگذر کرکے میرا ہاتھ بٹاؤ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں میری مدد کرو اور تمہاری جو خدمات اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کی ہیں ان سے متعلق مجھے بتاؤ۔ میں اپنے اور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔''

آپ کے دور میں فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔ نورِ اسلام کا سیلِ رواں ظلمتِ کفر کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے گیا۔ آپ کے دورِ خلافت میں سلطنت اسلامیہ مصر، شام، عراق، ایران، مکران، خراسان اور آذربائیجان تک پھیل گئی۔ آپ نے دس سال چھے ماہ اور چار دن امیر المؤمنین کی حیثیت سے گزارے۔ آپ جیسی حکومت نہ آپ سے پہلے کسی نے کی اور نہ آپ کے بعد کوئی کرسکے گا۔

شہادت کا واقعہ اور پس منظر:

امیر المؤمنین کی حیثیت سے آپ ہر سال حج کرنے جاتے اور وہاں پر مختلف صوبوں کے حالات معلوم کرتے اور گورنروں سے کارگزاری لیتے، امورِ سلطنت میں ان کی مزید رہنمائی کرتے۔ آخری سال یعنی ۲۳ھ میں بھی حج کو تشریف لے گئے اور یہ آپ کی زندگی کا آخری حج تھا ارکان حج سے فارغ ہوئے تو منی سے ابطح میں اپنا اونٹ بٹھایا، کچھ سنگریزے جمع کرکے ایک چبوترہ سا بنایا اس پر اپنی چادر ڈال کر چت لیٹ گئے اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا:

''اے اللہ! میری عمر زیادہ ہوگئی ہے ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں۔ قوتیں ایک ایک کرکے جواب دے گئی ہیں اور مملکت کی سرحدوں میں وسعت ہونے کی وجہ رعایا پھیل گئی ہے۔ اب مجھے اپنی پاس بلالے۔ اس حال میں کہ میرا دامن عجز وملامت سے پاک ہو۔''

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مکہ سے واپس آتے ہی جمعہ کے روز مدینہ میں خطبہ عام ارشاد فرمایا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

''لوگو! میں نے ایک خواب دیکھا جسے میں اپنی موت کا پیام سمجھتا ہوں میں نے دیکھا کہ ایک سرخ رنگ کے مرغ نے مجھے دو ٹھونگیں ماری ہیں۔ اے لوگو! تم پر احکام فرض کردیے گئے تمہارے لیے قانون حیات مرتب کردیا گیا اور تمہیں ایک کھلی شاہراہ پر ڈال دیا گیا اب یہ اور بات ہے کہ لوگوں کو ادھر اُدھر بھٹکاؤ۔'' (طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۳۵، ۳۳۴)

حج کے بعد ایک روز آپ بازار میں گشت فرما رہے تھے کہ آپ سے ابولؤلؤ فیروز نامی ایک ایرانی غلام جو کہ جنگِ نہروان میں قید ہوکر آیا تھا اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا غلام تھا، ملا اور کہنے لگا امیر المؤمنین مجھے مغیرہ بن شعبہ سے بچائیے۔ یہ مجھ سے بہت خراج لیتا ہے۔ سیدنا عمر نے پوچھا: تم اسے کتنا خراج ادا کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا: دو درہم روزانہ۔ سیدنا عمر نے پوچھا اور تم کام کیا کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا: کام تو میں کئی کرتا ہوں نجاری، آہن گری، نقاشی اور چکیاں بناتا ہوں۔ سیدنا عمر نے فرمایا: تمہارے پیشوں کو دیکھتے ہوئے یہ دو درہم روزانہ کا خراج کوئی زیادہ معلوم نہیں ہوتا۔

میں نے سنا ہے تم کہتے ہو کہ اگر میں چاہوں تو ہوا سے چلنے والی چکی بھی بنا سکتا ہوں۔ وہ کہنے لگا: ہاں۔ فرمایا: تو پھر مجھے ایک ایسی چکی بنا دو۔ اس نے جواب دیا: اگر میں زندہ رہا تو آپ کے لیے ایک ایسی چکی بناؤں گا کہ شرق وغرب کی دنیا یاد کرے گی۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ سیدنا عمر بڑے زیرک انسان تھے۔ اتنی بڑی سلطنت کے فرماں روا تھے۔ جب وہ گیا تو آپ نے فرمایا اس غلام نے مجھے دھمکی دی ہے۔

قاتلانہ حملہ:

اس واقعے کے تین چار روز بعد ہی ۲۶/ ذوالحج بدھ کے روز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نماز فجر پڑھانے مسجد میں تشریف لائے تو اس روز وہ بھی مسجد میں امیر المؤمنین کے قتل کے ارادے سے آیا اور دو دھاری خنجر اپنی چادر میں چھپا کر مسجد میں ایک جانب چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب سیدنا عمر نے تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کی تو اس نے آگے بڑھ کر آپ رضی اللہ عنہ پر چھے وار کیے آخری وار آپ کے پیٹ میں لگا اور امیر المؤمنین زخمی ہو کر گر گئے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو آگے کیا گیا جنہوں نے نماز مکمل کروائی۔ ابولؤلؤ فیروز ایرانی مسجد سے نکل کر بھاگنے لگا صحابہ کرام نے اسکا تعاقب کیا۔ وہ دائیں بائیں خنجر چلاتا ہوا جا رہا تھا۔ بارہ صحابہ اسی خنجر سے زخمی ہوئے جن میں نو آدمی جانبر نہ ہو سکے۔ آخر ایک صحابی پیچھے سے آئے اور اپنی چادر اس پر پھینکی۔ جب اس کو اپنے پکڑے جانے اور سازش کے پتہ چل جانے کا خطرہ محسوس ہوا تو اسی خنجر سے خودکشی کر کے اپنے آپ کو جہنم واصل کر لیا۔

زخمی حالت کے مبارک اعمال:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بے ہوشی کے عالم میں کاشانۂ خلافت میں لایا گیا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب صبح نمودار ہوئی تو آپ کو ہوش آیا آپ نے اپنے گرد آدمیوں کا ہجوم دیکھا تو فرمایا:

''لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ میں نے کہا: ہاں۔ فرمایا: ''جس نے نماز چھوڑ دی اسلام میں اسکا کوئی حصہ نہیں۔''

پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر لوگوں سے دریافت کیا کہ ''کیا یہ واقعہ تمہارے مشورہ سے ہوا؟'' سب لوگ سہم گئے اور یک زبان ہو کر کہا ''معاذ اللہ''۔ ہمیں اسکا علم نہیں کہ یہ حادثہ کیوں ہوا اور اس کے عوامل کیا تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پھر پوچھا: امیر المؤمنین پر حملہ کس نے کیا؟ لوگوں نے کہا: اللہ کے دشمن ابولؤلؤ فیروز ایرانی نے جو سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا غلام ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آ کر جواب بتایا تو امیر المؤمنین نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میرا قاتل کسی ایسے شخص کو نہیں بنایا جو اس کے حضور اپنے کبھی کے کیے ہوئے ایک سجدے کو میرے خلاف حجت بنا تا۔ الحمدللہ! مجھے کسی عرب، کسی مسلمان نے قتل نہیں کیا۔''

اس کے بعد چار دن تک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس حال میں رہے اور جو کچھ کھاتے وہ زخموں سے باہر آ جاتا اور خون مبارک مستقل بہے جا رہا تھا۔ جس سے آپ بہت کمزور ہو گئے آپ اپنے بعد خلافت سنبھالنے کے لیے چھ رکنی کمیٹی

تشکیل دی اوران سے کہا کہ میرے بعد تین دن میں فیصلہ کرنا چوتھا دن نہ ہونے پائے اور تین دن تمہیں سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نمازیں پڑھائیں گے۔ پھر آپ نے سلطنت کے متعلق وصیت فرمائی:

''میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ سے ڈرتا رہے۔ مہاجرین اولین کے حقوق کی نگہداشت کرے اوران کا احترام ملحوظ رکھے۔ مفتوحہ ممالک میں رہنے والے لوگوں سے اچھا سلوک کرے کیونکہ انہوں نے اسلام کی مدد کی ہے۔ دشمنوں پر غالب آئے ہیں اور مال جمع کیا ہے۔ صرف وہی کچھ ان سے لیا جائے جو ان کی ضرورت سے زائد ہو اور وہ خوش دلی سے دے دیں۔ انصار مدینہ کا خاص خیال رکھا جائے کہ انہوں نے بے گھروں کو گھر دیے اور ایمان کی حفاظت کی ان کا احسان تسلیم کیا جائے اور ان کی کوتاہیوں سے چشم پوشی کی جائے۔ عربوں سے اچھے سلوک کے ساتھ پیش آیا جائے کہ یہی لوگ اصل عرب اور مادۂ اسلام ہیں۔ ان کے مال داروں سے زکوٰۃ وصول کر کے ان کے محتاجوں میں تقسیم کرے۔ ذمیوں کے حقوق کا ہر طرح سے پاس کرے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری میں ہیں۔ ان سے جو وعدہ کیا گیا ہے اسے پورا کرے ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالے اور ان کے دشمنوں سے جنگ کرے۔''

دنیا کے معاملات سے فراغت کے بعد آپ آخرت کی طرف متوجہ ہوئے آپ اکثر دعا کیا کرتے تھے:

اللهم ارزقني شهادة في سبيلك واجعل موتي ببلدك

اے اللہ مجھے اپنے راستہ میں شہادت کی موت دینا اور اپنے رسول کے شہر میں موت عطا کرنا۔ (البدایہ، ج ۷، ص ۱۳۷)

اور آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور آپ کی خواہش تھی کہ اپنے دونوں رفیقوں کے ساتھ دفن ہوں تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور ان سے کہو ''عمر بن خطاب آپ کو سلام عرض کرتا ہے اور اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رو پڑیں فرمایا: ''یہ جگہ میں اپنے لیے چاہتی تھی لیکن آج عمر کو اپنے پر ترجیح دیتی ہوں۔'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے واپس آ کر بتایا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا اور فرمایا:

الحمد لله ما كان من شيء اهم الى من ذلك ''اللہ کا شکر ہے کیونکہ اس سے اہم اور کوئی شئے میرے نزدیک نہیں تھی۔''

آپ نے فرمایا کہ مجھے دفن کرنے سے پہلے ایک بار پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت طلب کرنا شاید انہوں نے میرے اقتدار کی وجہ سے اجازت نہ دے دی ہو۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے وصیت کے مطابق عمل کیا۔

بالآخر یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے رفقاء سے جا ملے۔ آپ کی نماز جنازہ سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں ریاض الجنۃ میں پڑھائی اور آپ کو اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں جنت میں اتار دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

☆......☆......☆

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

عاشورہ محرم

(سنی نقطۂ نظر)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ط ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ o　(التوبۃ۔ آیت 36)

بے شک مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا بارہ مہینے ہے جن میں چار حرمت و عزت والے ہیں۔ یہی دین قیم یعنی درست ضابطہ ہے۔

ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے ''رجب، ذی قعد، ذی الحجہ اور محرم'' حرمت والے ہیں۔ ان میں ہر طرح کا فتنہ اور فساد اور جنگ وقتال قطعاً ممنوع ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی اہل عرب ان مہینوں کا بڑا احترام کرتے تھے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے ہی سال کے چار مہینے عزت اور حرمت والے شمار ہوتے تھے۔

کچھ عرصہ بعد اہل عرب پر ان مہینوں میں قتل وقتال کی ممانعت کا حکم گراں گزرنے لگا اور مسلسل تین مہینے (ذی قعد، ذی الحجہ اور محرم) ان کی حرمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے قتل وغارت سے اجتناب ان کے لیے بہت مشکل تھا اس لیے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ان مہینوں میں سے جس کو چاہا حلال کر دیا اور اس کی جگہ سال کے کسی دوسرے مہینے کو حرام کر دیا۔ اس طرح حرمت والے مہینوں میں وہ تقدیم وتاخیر اور ردوبدل کرتے رہتے تھے۔ اس عمل کو ''نسئی'' کہا جاتا تھا جس کی خاطر وہ سال کے بارہ مہینوں کی تعداد تیرہ یا چودہ مہینے بنا لیتے تھے۔

حرمت والے مہینوں میں قتل وغارت کے علاوہ ''نسئی'' کے عمل کو اختیار کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حج (جو ذی الحجہ کے مخصوص دنوں میں ادا کیا جاتا تھا) کے مہینے کو سخت سردی یا سخت گرمی سے محفوظ رکھنے کی خاطر ہمیشہ معتدل مہینے میں تبدیل کرنا تھا، اس صورت میں 33 سال کے بعد صرف ایک بار حج اپنی صحیح تاریخوں میں ادا ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی عمل ''نسئی'' سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ　.........　(التوبۃ ۔آیت 37)

عمل نسئی تو کفر میں ایک مزید کافرانہ حرکت ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے پورے دور میں صرف 10ھ میں حج کا مہینہ اپنے اصلی وقت پر آیا ورنہ اس سے پہلے دوسرے مہینوں کا نام ذی الحجہ رکھ دیا جاتا تھا۔ ''نسئی'' کی منسوخی کا یہ اعلان 9ھ کے حج کے موقع پر کیا گیا اور اگلے سال 10ھ کا حج

ٹھیک ان تاریخوں میں ہوا جو قمری حساب کے مطابق تھیں۔ اس کے بعد سے آج تک حج اپنی صحیح تاریخوں کے مطابق ادا کیا جارہا ہے۔

(ملاحظہ ہو صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر تحت سورۃ التوبۃ۔ باب قول ''اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتَابِ اللّٰه ...)

عہدِ نبوت اور عہدِ صدیقی میں کوئی ''سن'' رائج نہیں تھا مگر جب حضرت عمرؓ کے دور میں ممالک مفتوحہ کی وسعت اور دفاترِ حکومت کے قیام سے حساب و کتاب کے معاملات زیادہ وسیع ہوئے تو سرکاری طور پر ایک ''سن'' رائج کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

چنانچہ اس معاملے پر مختلف تجاویز کی روشنی میں طویل غور وخوض کے بعد سب کی رائے حضرت علیؓ کی تجویز کے مطابق ہی قرار پائی کہ نبی اکرم ﷺ کی ولادت ، بعثت، فتح بدر، فتح مکہ، حجۃ الوداع اور وفات سے ''سن'' کے آغاز کی بجائے ہجرت کے واقعہ کو بنیاد ٹھہرا کر ''سن ہجری'' اختیار کیا جائے۔

حضرت عمرؓ کو یہ رائے پسند آئی اور انہوں نے فرمایا کہ:

''ہجرت حق اور باطل کے درمیان فارق کی حیثیت رکھتی ہے لہٰذا اسی کو تاریخ کے لیے مبدأ مقرر کردو۔''

''سن ہجری'' کے طے ہوجانے کے بعد اب یہ بات زیرِ بحث آئی کہ کس مہینے سے سال کی ابتداء کی جائے تو بعض حضرات نے رجب اور بعض نے رمضان کے مہینے سے ابتداء کرنے کا مشورہ دیا لیکن حضرت عثمانؓ نے تجویز دی کہ ''سن'' کے لیے ''محرم'' سے ابتداء کرنی چاہیے کیونکہ یہ ''شھر حرام'' ہے اور حج سے لوگوں کی واپسی کا زمانہ ہے نیز نبی اکرم ﷺ نے اپنے سفرِ ہجرت کی تیاری بھی اسی مہینے میں شروع کردی تھی۔ چنانچہ تمام حضرات نے اس رائے کے ساتھ اتفاق کیا اور تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ عہدِ فاروقی میں ہجرت کے واقعہ کے سترہویں سال ''یعنی یوم الخمیس 20۔ جمادی الاولیٰ 17ھ / مطابق 12 جولائی 638ء) اسلامی مملکت میں ''سن ہجری'' کا نفاذ ہوا۔ یہی ''سن ہجری'' آج تک پورے عالم اسلام میں رائج و نافذ ہے جو نہ تو کسی انسانی برتری اور تفوق کو یاد دلاتی ہے اور نہ شوکت وعظمت کے کسی واقعہ کو بلکہ یہ واقعۂ ہجرت، مظلومی اور بے کسی کی ایک ایسی یادگار ہے کہ جو ثباتِ قدم، صبر واستقامت اور راضی برضائے الٰہی ہونے کی ایک زبردست مثال اپنے اندر پنہاں رکھتا ہے۔

ماہِ محرم ''اشہر حرم'' میں سے ہے اور اس کے معنی ہی محترم، معظم اور مقدس کے ہیں۔ اس مہینے اور عاشوراء کی فضیلت اسلام سے بھی بہت پہلے سے ہے لیکن عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس مہینے کو اس لیے فضیلت حاصل ہوئی کہ اس میں حضرت حسینؓ کی شہادت واقع ہوئی۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اس مہینے کی حرمت کا حضرت حسینؓ کے واقعۂ شہادت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ سانحہ تو نبی اکرم ﷺ کی وفات سے پچاس سال بعد پیش آیا جب کہ دین کی تکمیل تو آپ ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں کردی گئی تھی۔ ''الیوم اکملت لکم دینکم ....'' اس لیے یہ تصور آیت قرانی کے سراسر خلاف ہے۔

پھر خود اسی مہینے میں اس سے بھی بڑھ کر ایک اور سانحہ شہادت اور واقعہ عظیمہ پیش آیا تھا یعنی یکم محرم کو حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کا واقعہ، جنہوں نے دیگر خدمات سرانجام دینے کی علاوہ امت مسلمہ کو رہتی دنیا تک ''سن ہجری'' (محرم تا ذی الحجہ) کا ''تحفہ'' بھی عطا فرمایا تھا۔ اگر بعد میں واقع ہونے والی شہادتوں کے ''ایام'' کی کوئی شرعی حیثیت ہوتی تو حضرت عمر فاروقؓ م، عثمانؓ اور حضرت علیؓ وغیر ہم کی شہادتیں اس لائق تھیں کہ اہل اسلام ان کے اعتبار سے دن مناتے۔

عاشوراء سے کیا مراد ہے اور اس دن کون سی عبادت مسنون ہے؟ اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

''عاشوراء'' (عاشوراء الف مقصورہ کے ساتھ اور عشوراء پہلے الف کے حذف کے ساتھ) ''عشر'' سے ماخوذ ہے اور ''عشر'' دس کو کہتے ہیں۔ بعض روایات کے مطابق نواں دن ''یوم عاشوراء'' کہلاتا ہے۔ (لسان العرب بذیل مادہ عشر)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ ''عاشوراء'' معدول ہے یعنی اپنی اصل سے ہٹا ہوا ہے جو اصل میں ''عاشرۃ'' تھا۔ مبالغہ وتعظیم کے لیے اسے ''عاشوراء'' بنادیا گیا ہے۔ ''عاشوراء'' دراصل لیلة عاشرة (دسویں رات) کی صفت ہے۔ گویا جب ''عاشوراء'' بولا جاتا ہے تو اس سے مقصود "یوم اللیلة العاشرة" یعنی دسویں رات کا دن ہوتا ہے۔

(فتح الباری باب صیام یوم عاشوراء)

یوم عاشوراء کی تعیین کے سلسلہ میں روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ عاشوراء محرم کی دسویں رات کو کہتے ہیں۔ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ اکثر اہل علم کے نزدیک اس سے مراد نویں تاریخ ہے۔ پہلی صورت میں یوم کی اضافت گذشتہ رات کی طرف ہوگی اور دوسری صورت میں یوم کی اضافت آئندہ رات کی طرف ہوگی۔ (حوالہ مذکور)

غالبًا اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یوم عاشوراء کا روزہ رکھنے کا حکم دیتے وقت فرمایا کہ یہود چونکہ دسویں محرم کو عید مناتے ہیں اور روزہ رکھتے ہیں اس لیے تم نویں یا گیارہویں محرم کو روزہ رکھا کرو۔ اور فرمایا کہ اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو یہود کی مخالفت کرتے ہوئے نویں محرم کو روزہ رکھوں گا۔

اس کی تائید حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں انہوں نے الحکم بن الاعرج کو یوم عاشوراء کے بارے میں بتایا کہ جب محرم کا چاند نظر آئے تو دن گننا شروع کردو پھر نویں تاریخ کی صبح کو روزہ رکھو۔ الحکم نے پوچھا: کیا نبی اکرم ﷺ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ انہوں نے کہا: ہاں۔

(ملاحظہ ہو: جامع ترمذی ابواب الصوم باب ماجاء فی عاشوراء ایّ یوم ھو)

اسی باب کی دوسری روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے ہی مروی حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں:

"امر رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم بصوم عاشوراء یوم العاشر"

نبی اکرم ﷺ نے عاشوراء یعنی دسویں تاریخ کو روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

ایسی ہی روایات کی بناء پر جمہور علماء نے بعض سلف کے اختلاف کے باوجود ''یوم عاشوراء'' محرم کی دسویں تاریخ کو قرار دیا ہے۔

مشہور ماہر ریاضیات ابوریحان بیرونی (م 440ھ) لکھتے ہیں کہ:

''کہا جاتا ہے کہ عشوراء عبرانی لفظ ہے جو معرب ہو کر عاشوراء ہو گیا ہے۔ اس سے مراد یہود کے مہینہ ''تشری'' کا دسواں روز ہے جس کا روزہ ''صوم الکبّور'' کہلاتا ہے۔ اس کو عربوں کے مہینہ میں شمار کیا جانے لگا اور ان کے سب سے پہلے مہینے کا دسواں روز قرار پایا جس میں یہودیوں کے پہلے مہینے کا دسواں روز تھا۔''

(بحوالہ ارکان اربعہ ص 261۔ مؤلفہ مولانا ابوالحسن علی ندوی)

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ:

''چنانچہ عام طور سے یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی میں چالیس دن روزہ رکھنا اچھا سمجھتے ہیں لیکن چالیسویں دن کا روزہ ان پر فرض ہے، جو ان کے ساتویں مہینہ (تشرین) کی دسویں تاریخ کو پڑتا ہے اور اسی لیے اس کو عاشوراء (دسواں) کہتے ہیں۔ یہی عاشوراء کا دن وہ دن تھا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات کے دس احکام عنایت ہوئے تھے، اسی لیے تورات میں اس دن کے روزہ کی نہایت تاکید آئی ہے۔ (سیرت النبیؐ جلد پنجم ص 243)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ مدینہ تشریف لائے (دوسرے سال) یہودیوں کو دیکھا کہ وہ عاشوراء کا روزہ رکھے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: یہ روزہ کیسا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ نیک دن ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دن بنی اسرائیل کو ان کے دشمن (فرعون) سے نجات دلائی تھی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھا تھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا میں تم سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام کا حق دار ہوں پھر آپ ﷺ نے اس دن کا روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی اس کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الصوم۔ باب صیام یوم عاشوراء)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا: یہودی عاشوراء کے دن کو عید سمجھتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم بھی اس دن روزہ رکھو۔ (حوالہ مذکور)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو قصد کر کے کسی دن کی افضلیت سمجھتے ہوئے روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔ البتہ صرف عاشوراء کے دن اور ماہ رمضان (کہ انہیں فضیلۃً اور قصداً رکھتے تھے) (حوالہ مذکور)

صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے ''اسلم'' قبیلے کے ایک شخص کو یہ حکم دیا کہ وہ لوگوں میں اعلان کر دے: جس نے کچھ کھا پی لیا ہو وہ بھی باقی دن کچھ نہ کھائے اور جس نے کچھ نہ کھایا ہو وہ روزہ رکھ لے کیونکہ آج عاشوراء کا دن ہے۔ (حوالہ مذکور)

مذکورہ روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہودی عاشوراء کے دن روزہ رکھتے تھے اور یہ دن ان کے نزدیک بہت خوشی و مسرت اور عید کا دن تھا۔ لیکن ابوریحان بیرونی اور علامہ سید سلیمان ندویؒ نے یہود کے ''تشری'' کے مہینے کے دسویں دن جس ''صوم الکبّور'' کا ذکر کیا ہے وہ ان کے کسی بہت بڑے گناہ اور تاریخی اور قومی جرم کے کفارہ کے

طور پر رکھا گیا ہے اور اس کو غم و ماتم اور تعذیبِ نفس کا نام دیا گیا ہے۔

جیوش انسائیکلوپیڈیا میں اس کی صراحت موجود ہے کہ ان کے ہاں کچھ مقامی اور قومی روزے بھی تھے جو ملکوں اور علاقوں کے اختلاف کے ساتھ ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مدینہ منورہ کے یہودی عاشوراء کے روزے میں دوسروں سے منفرد ہوں اور اس کا دوسروں کی بنسبت زیادہ اہتمام والتزام کرتے ہوں۔

اسی لیے احادیث صحیحہ میں یہودیوں کے اس روزہ کا ذکر بکثرت آیا ہے لیکن یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے عاشوراء کا روزہ رکھنے کی وجہ سے خود یا اہل اسلام کو اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیا کیونکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ کی صریح روایت موجود ہے کہ قریش زمانۂ جاہلیت میں یوم عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کا روزہ رکھتے تھے؛ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو وہاں خود بھی اس کا روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی اس کا حکم دیا۔ پھر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشوراء کے دن روزہ رکھنا چھوڑ دیا؛ جس کی خواہش ہوتی وہ اس دن کا روزہ رکھتا اور جو نہ چاہتا تو اس دن کا روزہ نہ رکھتا۔ (صحیح بخاری باب صیام یوم عاشوراء، صحیح مسلم باب صوم یوم عاشوراء)

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ عاشوراء کا دن زمانۂ جاہلیت میں قریش کے نزدیک بھی بڑا محترم دن تھا۔ اسی دن خانہ کعبہ پر نیا غلاف ڈالا جاتا تھا اور قریش اس دن روزہ رکھتے تھے۔

قیاس یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی کچھ روایات اس دن کے بارے میں ان تک پہنچی ہوں گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ قریش ملت ابراہیمی کی نسبت سے جو اچھے کام کرتے تھے ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اتفاق اور اشتراک فرماتے تھے۔ پس اپنے اس اصول کی بناء پر حج میں بھی شرکت فرماتے اور عاشوراء کا روزہ بھی رکھتے تھے لیکن دوسروں کو اس کا حکم نہیں دیتے تھے۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہاں کے یہود کو بھی عاشوراء کا روزہ رکھتے دیکھا اور ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا کہ یہ وہ مبارک اور تاریخی دن ہے جس میں حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کو اللہ پاک نے نجات عطا فرمائی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کیا تھا؛ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن کے روزے کا زیادہ اہتمام فرمایا اور مسلمانوں کو عمومی حکم دیا کہ وہ بھی اس دن روزہ رکھا کریں۔

بعض احادیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کے روزے کا ایسا تاکیدی حکم دیا جیسا حکم فرائض اور واجبات کے لیے دیا جاتا ہے۔ ان ہی احادیث کی بناء پر احناف ''صیام رمضان'' کی فرضیت سے پہلے یوم عاشوراء اور ایام بیض کے روزوں کی فرضیت کے قائل نہیں جب کہ شوافع کے نزدیک ''صیام رمضان'' سے پہلے کوئی روزہ فرض نہ تھا بلکہ عاشوراء وغیرہ کے روزے پہلے بھی سنت تھے اور اب بھی سنت ہیں۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا ہے کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک عاشوراء اور محرم میں روزے رکھنا مسنون عمل ہے بلکہ ایک حدیث میں نفلی روزوں میں محرم کے روزوں کو سب سے افضل قرار دیا گیا ہے

(ملاحظہ ہو: جامع الترمذی۔ باب ماجاء فی صوم المحرم)

(شیعہ نقطۂ نظر):

جب کہ اہل تشیع کا نقطۂ نظر اس کے بالکل برعکس ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

اہل تشیع کے نزدیک محرم کا مہینہ منحوس ہے۔ امام خمینی لکھتے ہیں کہ:

''روزہ رکھنا عاشورہ کے دن..... مکروہ ہے۔'' (توضیح المسائل ص203)

ان حضرات کی ایک دوسری مشہور اور معتبر کتاب ''تحفۃ العوام'' میں محرم اور یوم عاشوراء کی تفصیل کچھ اس طرح بیان کی گئی ہے کہ:

''نویں ودسویں کو روزہ نہ رکھے اس لیے کہ بنوامیہ نے ان دو روزوں میں روزہ رکھا تھا واسطے برکت اور شماتت قتل حسینؓ کے۔ اور احادیث بسیار اہل بیت سے ان دونوں کے روزوں کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں۔ حضرت امام رضا سے روایت ہے کہ جو شخص روز عاشوراء اپنی حاجاتِ دنیا کو ترک کرے اور اپنے کسی کام میں سعی نہ کرے حق تعالیٰ اس کی حاجاتِ دنیا وآخرت کو برلاوے گا۔

اور جو شخص روزِ عاشوراء کو روزِ برکت جانے گا اور کارہائے دنیا میں مشغول ہوگا اور گھر میں کچھ ذخیرہ جمع کرے گا حق تعالیٰ اس کو بروزِ قیامت یزید اور ابن زیاد اور عمرو بن سعد کے ساتھ محشور کرے گا۔

پس لازم ہے کہ تمام روز گریہ وزاری میں بسر کرے۔ بدرستیکہ رونا ان حضرات پر گناہانِ کبیرہ کو مٹاتا ہے اور امام موسیٰ کاظم سے منقول ہے کہ اگر تو چاہے کہ شہیدانِ کربلا کے ثواب میں شریک ہو تو جس وقت مصیبت امام حسینؓ کی تجھ کو یاد آوے گریہ کر اور کہہ ''یالیتنی کنت معھم فافوز فوزاً عظیما۔'' حاصل معنی اس کے یہ ہیں کہ اے کاش ہوتا میں بروز عاشوراء شہیدانِ کربلا کے ہمراہ اور میں بھی شہید ہو کر دستگاری حاصل کرتا۔

واضح ہو کہ روزِ عاشوراء روزِ کمال حزن وملال ہے اور نحس ترین ایام ہے۔ ہمارے مخالفین نے فضائل روزِ عاشوراء اور صومِ روز عاشوراء کے متعلق جو حدیثیں لکھی ہیں اور فضیلتیں قرار دی ہیں سب بناء برتحریرا کابر علمائے اہل سنت غلط اور موضوع ہیں۔ لہٰذا صبح عاشوراء ہو جائے تو بے آب و دانہ رہے نہ کچھ کھائے نہ پیے۔ آخر روز بعد عصر پانی سے افطار کرے کہ اس وقت لڑائی موقوف ہوئی ہے حضرت سے اور متعلقین خانہ کو حکم کرے کہ مصیبت برپا کریں۔ اس طرح روئیں جیسے ماں اپنے بچے کے لیے روتی ہے کہ یہ مصیبت اعظم ترین مصائب سے ہے۔ جب ایسا کرے تو لکھا جائے گا اس کے لیے ثواب ہزار ہزار حج اور ہزار ہزار عمرہ اور ہزار ہزار جہاد کا کہ سب آنحضرت کے ساتھ بجالایا ہو۔

اور فرمایا کہ بند جامہ کو کھول دے اور آستین کو کہنی تک الٹ دے بطورِ مصیبت زدگان اور طرف صحرا یا بام خانہ کے جائے اور باخضوع وخشوع اور باچشم گریان اول روز قبل دوپہر یہ اعمال بجالاوے۔ پھر منہ کرے روضہ منورہ یعنی قبر مبارک شہید کربلا کے اور خاطر میں لاوے معرکہ کربلا اور شہادت امام مظلوم کو انگلی سے اشارہ کرے اور نیت کرے کہ زیارت پڑھتا ہوں میں جناب امام حسینؓ کی روزِ عاشورائے سنت قربۃً الی اللّٰہ۔ پھر کہے: (آگے زیارت کی طویل

دعا درج ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں)

"اللّٰھم انّ ھٰذا یوم تبرکت به بنوامیّة وابن آکلة الاکباد اللعین ابن اللعین علٰی لسانك ولسان نبیك ....اللّٰھم العن اباسفیان ومعاویة بن ابی سفیان ویزیدبن معاویة وآل مروان علیھم اللعنة ابدالابدین

پس دو رکعت نماز زیارت پڑھے۔نماز کے بعد احتیاطاً دوبارہ یہی زیارت پڑھے تو بہتر ہے۔بعد اس کے سو(100) مرتبہ کہے:

اللّٰھم العن اول ظالم ظلم حق محمّد وآل محمّد وآخرتابع له علٰی ذٰلك ۔

پھر دو رکعت نماز پڑھے اور یہ کہے:

اللّٰھم خصّ انت اول ظالم باللعن منّی وابدأ به اوّلا ثم الثانی ثم الثالث ثم الرابع اللّٰھم العن یزیدبن معاویة خامساً۔ (تحفۃ العوام ص176،172)

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار مرتضیٰ حسین فاضل لکھتے ہیں کہ:

''عاشوراء'' دس محرم 61ھ کا نام ہے۔اس روز حضرت امام حسینؓ اور ان کے ساتھی کربلا میں شہید ہوئے۔اس غم انگیز یاد میں دو محرم (روزِ ورودِ امام در کربلا) سے علامات غم کا اظہار خاص اہمیت اختیار کر لیتا ہے.....

61ھ کا عاشور گزر گیا اس کے بعد ہر سال یہ دن آتا ہے اور امام حسینؓ کے دوست دار اس دن کی یاد میں منفرد سوگواری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ہر گھر میں یکم محرم سے ماتم ومجلس، ذکرِ شہادت اور بیانِ مصائب ہوتا ہے۔شبِ عاشور شب بیداری ہوتی ہے۔مرد وزن، چھوٹے بڑے، گریہ وبکا، سینہ زنی اور نوحہ خوانی میں مصروف رہتے ہیں۔امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں پر درود وسلام اور قاتلوں پر نفرین کی تسبیحیں پڑھتے ہیں۔نماز ادا کرتے اور خاص مروی دعائیں پڑھتے ہیں۔

صبح کے وقت سرو پا برہنہ گھروں سے نکلتے ہیں۔سر کھلے، بالوں پر کاک پڑی، سیاہ کپڑے پہنے، گریبان کا تکملہ کھلا، آستین الٹے، پائینچے چڑھائے، دامن گردانے میدانوں یا کربلاؤں میں جاتے ہیں۔راستے میں کوئی ملتا ہے تو ایک دوسرے سے کہتا ہے:

"اعظم اللّٰہ اجورنا بمصابنا بالحسین علیه السلام وجعلنا وایّاکم من الطالبین بثاره مع ولیّه الامام المھدی من آل محمد علیھم السلام"

اللہ ہمیں اور تمہیں امام حسینؓ کی مصیبت میں غم زدہ ہونے پر زیادہ سے زیادہ اجر دے اور ہم کو اور تمہیں امام مہدی آخر الزمان کے ساتھ امام حسینؓ کے خونِ ناحق کا بدلہ لینے کی توفیق دے.... عاشور کے دن خرید وفروخت، کاروبار، میل ملاقات، دنیوی باتیں نہیں کرتے۔عصر کے بعد ایک زیارت پڑھتے ہیں جس میں رسول اللہ اور جناب فاطمۃ الزہراء، حضرت علی المرتضیٰ اور دوسرے ائمہ سے خطاب کر کے ایک معین ومروی دعا (زیارت) کے ذریعے مصائب اور عاشوراء

اور واقعہ شہادت کبریٰ پر تعزیت ادا کرتے ہیں اور مصیبت زدوں کی طرح بہت کم کھانا کھاتے ہیں۔ شام کے وقت مغربین کے بعد پُرسے کی مجلسیں ہوتی ہیں اور پھر گریہ وبکا کیا جاتا ہے۔ برصغیر میں اس رات کو ''شام غریباں'' کہا جاتا ہے اور اس وقت کی مجلس کا خاص اہتمام یہ ہوتا ہے کہ عزاخانے میں فرش کے بغیر زمین پر لوگ یوں بیٹھتے ہیں جیسے جنازے کو دفن کر کے آئے ہوں۔ سب اشک بار ہوتے ہیں۔ ایک واعظ یا ذاکر منبر پر بیٹھ کر اس وقت کے حالات کربلا بیان کرتا ہے۔ عزاخانے میں شمع اور روشنی گُل کر دی جاتی ہے کہ اس طرح کربلا والے بے سروسامان تھے۔ ان مجلسوں میں غضب کا گریہ ہوتا ہے۔

اس کے بعد مراسم عاشور انجام پاتے ہیں۔ شیعہ عاشور کو یوم غم مانتے ہیں۔ ائمہ کرام کے احکام کی روشنی میں اس دن روزہ نہیں رکھتے۔ نئے لباس، آرائش وزیبائش نہیں کرتے اور احادیث ائمہ کرام کے مطابق صبح سے عصر تک بیاد حضرت سید الشہداءؑ ترکِ آب وغذا کرتے ہیں۔ امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے:

رمضان کے روزوں کے بعد رسول اللہ نے عاشور کا روزہ نہیں رکھا۔ عاشور کے دن شیعہ گھروں میں مکمل سوگ ہوتا ہے اور باہر تعزیہ، علَم اور ذوالجناح کے جلوس نکلتے ہیں۔ جلوس کے ساتھ سینہ زنی، نوحہ خوانی اور غم انگیز مظاہرے ہوتے ہیں۔

تاریخ نے سب سے پہلا بڑا جلوس اور سرکاری طور پر منایا جانے والا یومِ غم 352ھ میں لکھا ہے۔ اس سال معزالدولہ نے حکم کے ذریعے بغداد کے بازار بند کرا دیے اور جلوس ماتم بغداد سے گزرا۔ اس کے بعد سے اختلاف واتفاق کے ساتھ یہ جلوس عام ہوتے گئے اور پاکستان وہندوستان کے تمام شہروں میں بھی جہاں عزادارانِ اہل بیت موجود ہیں یہ (یعنی عاشورہ کا) دن جلوسوں کا دن ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 12 ص 672، 676)

زیرِ نظر مضمون میں ہی پیچھے یہ گزر چکا ہے کہ یہودیوں کے ہاں ایک عاشوراء یومِ عید کی طرح منایا جاتا تھا اور اس میں وہ روزہ بھی رکھتے تھے جس سے بعض حضرات کو یہ اشکال پیدا ہوا کہ عید اور روزہ کا جوڑ بعید از فہم ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس خیال کی بنیاد صرف یہ ہے کہ ہم عیسائیوں اور یہودیوں کے روزہ کو اسلامی روزہ پر قیاس کرنے لگتے ہیں۔

''جیوش انسائیکلوپیڈیا'' میں ساتویں مہینہ کے اوائل کے متعلق وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ روزہ اور عید کا دن ہے۔ جب کہ دوسرا عاشوراء جوان کے مذہبی مہینہ ''تشری'' کا دسواں روز ہے جس کو ''یوم کبور'' کہا جاتا ہے یعنی کفارہ کا روزہ جو یہودیوں میں بہت مشہور ومعروف ہے۔ یہ ان کی شریعت اور مذہبی کتابوں میں اسی صیغہ یعنی "Yom Kippur" کے ساتھ مذکور ہے اور اس کو انگریزی میں "Day of atonement" (کفارہ کا دن) کہتے ہیں۔ یہ ان کے کسی بہت بڑے گناہ اور کسی تاریخی اور قومی جرم (غالباً یہ جرم گوسالہ پرستی ہے) کے کفارہ کے طور پر رکھا گیا ہے اور اس کو غم اور ماتم وتعذیبِ نفس کا دن کہا گیا ہے۔ یہودیوں کی مذہبی کتاب ''سفر الاحبار'' میں کفارہ کے دن کا ذکر (جو ساتویں مہینہ تشری کا دسواں روز ہے) اس طرح ملتا ہے:

''اور یہ تمہارے لیے ایک دائمی قانون ہو کہ ساتویں مہینہ کی دسویں تاریخ کو تم اپنی جان کو دکھ دینا اور اس دن کوئی

خواہ دیسی ہو یا پردیسی جو تمہارے بیچ بودوباش رکھتا ہو کسی طرح کا کام نہ کرے کیونکہ اس روز تمہارے واسطے تم کو پاک کرنے کے لیے کفارہ دیا جائے گا سو تم اپنے گناہوں سے خداوند کے حضور پاک ٹھہرو گے۔'' (احبار۔ باب 16 آیات 29-31)

دوسری جگہ آتا ہے ''اور خداوند نے موسیٰ سے کہا اسی ساتویں مہینہ کی دسویں تاریخ کو کفارہ کا دن ہے۔ اسی روز تمہارا مقدس مجمع ہو اور اپنی جانوں کو دکھ دینا اور خداوند کے حضور آتشیں قربانی گزارنا۔ تم اس دن کسی طرح کا کام نہ کرنا کیونکہ وہ کفارہ کا دن ہے جس میں تمہارے خدا کے حضور تمہارے لیے کفارہ دیا جائے گا۔'' (کتاب مقدس۔ پرانا اور نیا عہد نامہ)

گنتی میں ایک جگہ آیا ہے: ''پھر اسی ساتویں مہینہ کی دسویں تاریخ کو تمہارا مقدس مجمع ہو تم اپنی اپنی جان کو دکھ دینا اور کسی طرح کا کام نہ کرنا۔ (گنتی۔ باب 29۔ بحوالہ ارکان اربعہ ص 265)

اس کے برخلاف احادیث صحیحہ میں اس کی صراحت موجود ہے کہ عاشوراء کا دن جس میں مسلمانوں کو روزہ رکھنے کا حکم ہے، یہود کے نزدیک بہت خوشی ومسرت اور عید کا دن تھا۔

ان تمام باتوں کے پیش نظر یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ کفارہ کا دن ہے اگر یہ مان لیا جائے تو یہ دن حزن وملال، غم وماتم اور عقوبت وتعزیر کا دن ہونا چاہیے۔

یہودیوں کا عاشوراء کے متعلق یہ قول کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمنوں سے نجات دی خود اس سلسلہ میں ایک میزان قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس دن کا نام تورات میں متعدد مقامات پر صراحت کے ساتھ ''ابیب'' آیا ہے جس کو بعد میں ''نیسان'' کہا جانے لگا۔

بستانی کہتے ہیں کہ اسرائیلیوں کے موجودہ مہینے اس طرح ہیں کہ ان کے سال کا پہلا مہینہ تشری ہے اور اس لحاظ سے ''ابیب'' کا مہینہ سال کا ساتواں مہینہ قرار پاتا ہے۔

بہر حال عاشوراء محرم کی فضیلت واہمیت کا حضرت حسینؓ کی شہادت کا ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس میں مسنون عمل صرف روزہ رکھنا ہے اور یہودیوں کے ساتھ مشابہت سے بچنے کے لیے ایک دن قبل یا بعد کا روزہ ملا لینا ضروری ہے۔ جب کہ مولانا محمد منظور نعمانی کی تحقیق کے مطابق آج کل یہود ونصاریٰ عاشوراء کا روزہ ہی نہیں رکھتے بلکہ ان کا کوئی بھی کام قمری مہینوں کے حساب سے نہیں ہوتا۔ اس لیے اب کسی اشتراک اور تشابہ کا سوال ہی نہیں رہا لہٰذا فی زماننا رفع تشابع کے لیے نویں یا گیارہویں کا روزہ رکھنے کی ضرورت نہ ہونی چاہیے۔ (معارف الحدیث جلد 4 ص 171)

اہل تشیع نے عاشوراء محرم کو یہودیوں کی پیروی میں حزن وملال، غم وماتم اور عقوبت وتعزیر کا دن قرار دیا ہے۔ یہودیوں کا قومی جرم گوسالہ پرستی تھا اور شیعہ کا قومی جرم قتل حسینؓ اور اس میں ''اعانت'' ہے۔ "کذلك قال الذين من قبلهم مثل قولهم ط تشابهت قلوبهم ط قد بيّنا الاٰيٰت لقوم يوقنون" (البقرۃ 118)

اسی طرح ایسی ہی بات ان کے اگلوں نے بھی کہی تھی، اُن کے اور اِن کے دل یکساں ہو گئے، ہم نے تو یقین والوں کے لیے نشانیاں بیان کر دیں۔

پروفیسر حمزہ نعیم

رقابتیں نہیں قرابتیں ہی قرابتیں

کلمہ رسول پڑھے اور اصحاب رسول پر تنقید وتعریض؟ یا تو کلمہ خام ہے یا قسمت کی خرابی...... کسی بھی انسان کو جب ''صحابی رسول'' کہہ دیا گیا۔ اب کسی اور خوبی یا اہلیت ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے؟ بقول شاعر:

سب صحابہ سے عیاں ہے رنگ و بوئے مصطفیٰ برگ گل میں جس طرح سے بوئے گل پوشیدہ ہے

۲۳ سال کے عرصہ میں نبی آخریں حضور خاتم المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت آیات کرتے رہے، اپنے اصحاب کا تزکیہ کرتے رہے۔ تزکیہ کے بعد کتاب وحکمت سکھاتے رہے۔ صحبت رسول کا ایک لمحے کا کمال یہ ہے کہ چند لمحے پہلے جو ہزاروں جادوگر کلیم اللہ کے مقابلے میں آئے تھے، اب فرعون کو چیلنج کر رہے کہ ''تو ہمیں قتل اور سولی کی دھمکی دیتا ہے، جو تجھ سے ہو سکے کرلے۔'' (فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ) ہم ایمان چھوڑنے والے نہیں۔ پھر وہ سولی چڑھ گئے مگر موسیٰ کلیم اللہ کا کلمہ نہیں چھوڑا...... یہ تو صرف صحبت کلیم اللہ کے چند لمحوں کی بات تھی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سال کی محنت، تزکیہ اور صحبت اتنی کمزور کیسے ہوسکتی تھی کہ ان کی دنیا سے رخصتی کے بعد سارے صحابہ مرتد ہوجاتے، سوائے تین کے۔ محمد رسول اللہ کی تربیت سے قبائلی عصبیت ختم ہوگئی تھی لیکن ان کی وفات پر پھر اپنے عروج پر پہنچ گئی، ایک طرف عبشمی اُموی تھے دوسری طرف علوی عباسی ہاشمی۔

سینوں سے کینے، نبی مکرم علیہ السلام نکال کر معارف اور حکمتوں کا خزینہ بھر گئے تھے۔ امام ابوزرعہ فرماتے ہیں:

''قانون یہ ہے کہ جب تو کسی کو دیکھے کہ وہ اصحاب رسول میں سے کسی کی تنقیص کرتا ہے، تو سمجھ لے وہ زندیق ہے۔ اس لیے کہ رسول برحق ہے، قرآن برحق ہے، قرآن اور سنت رسول ہم تک پہنچانے کا ذریعہ اصحاب رسول ہیں، لوگ ہمارے دین کے گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں تاکہ کتاب وسنت کو مجروح کرسکیں حالانکہ یہی لوگ لائق جرح ہیں اور زندیق ہیں۔'' (وھم زَنَادِقہ) (بحوالہ کفایۃ،ص:۴۹۔ اصابہ، فصل:۳)

صحبت رسول ایسا تریاق ہے کہ کلمۂ اسلام کا اقرار کرتے ہی جسم وجان سے تمام باطل اثرات کو ختم کردیتی ہے۔ **وکانوا احق بھا و اھلھا**، کوئی صحابی غیر عادل نہیں ہوسکتا۔ کوئی غیر صحابی متقی، ولی، قطب، ابدال، اُحد پہاڑ برابر سونا خیرات کردے تو ایک لمحہ بھر کے صحابی کے ایک مُدّ بلکہ نصف مُدّ جَو کے برابر نہیں ہوسکتا۔ (مفہوم حدیث) اللہ کریم نے تو ایک عجیب فیصلہ نازل فرمادیا کہ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ (القرآن) اصحاب رسول سے غیظ وغصہ کا فر ہونے کی واضح نشانی ہے۔ ایک نبی کا انکار سارے نبیوں کا انکار شمار ہوتا ہے، بالکل اسی طرح ایک صحابی رسول سے بغض وعناد درپردہ تمام اصحاب رسول اور اہلِ بیت رسول علیہم الرضوان کا انکار ہے۔ بُغض معاویہ رضی اللہ عنہ والے دل میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نواسہ رسول کی محبت کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟

سیرت حلبیہ میں لکھا ہے کہ نبی پاک علیہ اسلام نے بعض وثیقہ جات پر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بطور گواہ پیش فرمایا۔ ایک موقع پر حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی ایک تحریر پر حضرت

ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے دستخط بطور گواہ کروائے گئے۔ یہ گویا ان پانچوں کے خلفائے نبوی ہونے کی ایک قسم کی پیشگوئی تھی۔

(السیرۃ الحلبیہ، جلد:۳،ص:۲۴۰ بحوالہ سیرت معاویہ، حکیم محمد احمد ظفر، ص:۱۵۸)

اب تھوڑا سا ہم آج کی سکولوں، کالجوں میں پڑھائی جانے والی تاریخِ اسلام کی طرف آتے ہیں۔ کوئی عابد علی نے ایک بڑے اخبار روزنامہ ''اسلام'' بروز اتوار، مورخہ:۱۲؍اکتوبر۲۰۱۴ء کی اشاعت میں شاید وہیں سے لکھا ہے کہ حضرت عثمان کی شہادت کی اصل بنیاد بنی ہاشم اور بنی اُمیّہ کی خاندانی رقابت تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس تاریخی افسانے کے بطلان پر تو اب باقاعدہ کتابیں لکھی جا چکی ہیں مگر سکولوں کالجوں میں ابھی تک وہی روایات پڑھائی جاتی ہیں جو نہایت ضعیف اور مجروح بلکہ گھڑی ہوئی ہیں۔ عبد شمس، ہاشم، نوفل اور مُطّلِب چار مشہور سردار تھے۔ ان کے والد جناب عبد مناف خاندان کے سربراہ تھے، چاروں مذکور سرداروں کو دوسرے ممالک میں بھی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ان کا بلکہ پورے قریش، اہلِ مکّہ کا امپورٹ ایکسپورٹ کا کاروبار تھا۔ صرف ہاشم ہی اہل مکّہ میں نمایاں نہیں تھے بلکہ چاروں مذکور سرداروں نے مثلاً عبد شمس نے نجاشی شاہ حبشہ سے، نوفل نے کسریٰ شاہِ ایران سے، مُطّلِب نے یمن کے ملوک حمیر سے اور ہاشم نے شاہانِ روم و نجران کے غساسنہ سے اہل مکہ کے لیے مذکور بالا علاقوں میں آبادکاری اور بلاٹیکس تجارت کے پروانے حاصل کیے تھے۔ (طبری، ص:۲۷) تاریخ میں اسی لیے ان چاروں بھائیوں کو مجیرون (پناہ دلانے والے) کہا گیا۔ نجاشی شاہ حبش سے یہ مراعات ہاشم نے نہیں عبد شمس نے حاصل کی تھیں۔ مسٹر عابد علی لکھتے ہیں جس کا حوالہ انھوں نے نہیں دیا کہ ''ایک موقع پر ایک کاہن کے سامنے جب جناب ہاشم اور جناب اُمیّہ کا مناظرہ ہوا۔ دلائل میں اُمیّہ ہار گئے، لہٰذا شرط کے مطابق ۵۰ اونٹ جرمانہ کیا گیا اور دس سال کے لیے شام کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔ بس یہیں سے دنوں خاندانوں میں عداوت پیدا ہوئی۔'' موصوف نے اس روایت کا حوالہ نہیں دیا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سردار اُمیّہ کے بیٹے حرب اور سردار ہاشم کے بیٹے عبدالمطلب ندیم (گہرے دوست) کہلاتے تھے۔ حضرت عثمان بن عفان اُموی رضی اللہ عنہ جناب ربیعہ بن حارث ہاشمی کے ندیم تھے اور اسی طرح ہاشمی سردار حضرت عباس اور اُموی سردار ابوسفیان رضی اللہ عنہما میں گہری دوستی چلی آ رہی تھی۔ اسی بنا پر فتح مکہ سے ایک دن پہلے انھوں نے ابوسفیان کو پناہ میں لے کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی جان بخشی کروائی تھی اور ان کا اسلام قبول کر لیا گیا تھا۔ بلکہ ان کے گھر کو مثلِ حرم کعبہ، دارالامن اور پناہ گاہ عالمیان قرار دے دیا تھا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ بنو ہاشم کے سردار زادگان عبداللہ بن جعفر اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کو خصوصاً محبوب رکھتے تھے اور دورانِ خلافت گراں قدر عطیات دیتے تھے۔ حضرت مروان علی زین العابدین بن سیدنا حسین کو سب سے زیادہ محبوب رکھتے۔ بوقت وفات وصیت کی کہ ایک گراں قدر عطیہ میری طرف سے علی زین العابدین کے ذمہ قرض ہے یہ وصول نہ کیا جائے۔

معاندین کہتے ہیں خاندانی رقابت کے باعث بنی اُمیّہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی جب کہ مکہ مکرمہ کے دوران ابوسفیان کی کوئی زیادتی ثابت نہیں ہوتی بلکہ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ جب مشرکین نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ستاتے تھے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کے گھر میں پناہ لیتے تھے۔ یہی دار ابی سفیان نبی پاک کے گھر یعنی

دارِ خدیجہ رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے گلی میں دوسری طرف جانب شمال موجود تھا۔ (البدایہ والنہایہ) ایک واقعہ یہ بھی لکھا ہے کہ ملعون ابوجہل نے ایک دن اُمّ السادات سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما کو، جب کہ وہ کم سن تھیں تھپڑ مار دیا۔ معصوم بچی روتی ہوئی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے حضرت ابوسفیان کے پاس بھیجا کہ بیٹی ان کو جا کر بتاؤ، حالانکہ وہ ابھی داخل اسلام نہ ہوئے تھے۔ سیدہ فاطمہ گئیں شکایت کی تو حضرت ابوسفیان خود ان کے ساتھ حرم محترم پہنچے۔ جہاں ابوجہل اپنے ہم جنسوں میں بیٹھا خوش گپیاں لگا رہا تھا۔ حضرت ابوسفیان نے سیدہ فاطمہ سے کہا: بیٹی اسے تھپڑ مار کر اپنا بدلہ لو۔ سیدہ فاطمہ نے ننھے ہاتھ سے ابوجہل کے گال پر تھپڑ لگایا وہ تلملا تا رہ گیا اور سردار ابوسفیان کے سامنے کچھ نہ کہہ سکا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ رب کعبہ کی بارگاہ میں اٹھ گئے۔ **اللّٰھم لاتنساھا لابی سفیان.** اے اللہ! ابوسفیان کا مجھ پر یہ احسان تو بھی نہ بھلانا۔ بتایئے خاندانی رقابت اسی کو کہتے ہیں؟

مضمون نگار نے لکھا ہے کہ ''چار آدمی بنی ہاشم کے ستون تھے۔ ابوطالب، حمزہ، عباس اور ابولہب۔ ان میں سے صرف ابولہب دشمن رہا، باقی سب ایمان لائے۔'' حالانکہ تمام مستند تفسیریں گواہ ہیں کہ نبی پاک کی زبردست کوششوں کے باوجود مرتے ہوئے ابوجہل کے سامنے ابوطالب نے کہا تھا: **بَلْ وَ عَلٰی مِلَّةِ عَبد المُطَّلِب.** میں تو عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں اور پھر اس کی جان نکل گئی تھی۔ لا الٰہ الا اللہ کی نبوی تلقین کے باوجود اس نے کلمہ نہ پڑھا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بے حد غمگین ہوئے، آنکھوں میں آنسو آ گئے ہفت افلاک کے اوپر سے جبریل فوراً وحی لے کر آئے تھے۔ **اِنَّکَ لَاتَھْدِی مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَن یَّشَاء.** اے پیارے رسول بے شک جسے آپ پسند کریں ضروری نہیں کہ آپ اُسے ہدایت بھی دے سکیں بلکہ اللہ ہی ہدایت دیتا ہے جسے وہ چاہتا ہے۔ ان آیتوں کا یہی شان نزول لکھا ہوا ہے۔ حضرت علی کی ایک روایت بھی موجود ہے جس میں انھوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ آپ کا مشرک چچا فوت ہو گیا۔ (حیات الصحابہ)

سیدنا حمزہ بلاشبہ السابقون الاوّلون میں سے ہیں اور حضرت عباس نے بھی اپنے اسلام کا اظہار فتحِ مکہ سے کچھ پہلے کیا۔ ابولہب کا بڑا بیٹا غزوۂ بدر میں دشمن کی صفوں میں مارا گیا جب کہ عقیل گرفتار ہو کر حضرت عباس کی طرف سے فدیہ دینے پر چھوڑ دیے گئے، فتحِ مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ ہاشمی خانوادہ بے شک عظیم ہے، سب سے بڑی عظمت خاتم المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی خاندان سے مبعوث ہونا ہے مگر علی، جعفر اور حمزہ رضی اللہ عنہم کے سوا کون ہے جس نے اسلام میں سبقت کی ہو؟ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی اور سگے چچا حارث کے بیٹے ابوسفیان مغیرہ ہاشمی بھی سردار تھے مگر ہمہ وقت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بدگوئی و بے توقیری میں لگے رہے۔ کہیں فتحِ مکہ کے بعد اسلام لائے۔ انھی کے ہجویہ اشعار کا جواب شاعرِ رسول حضرت حسان بن ثابت دیا کرتے (دیوان حسان) بلا تقابل تین ہاشمی سرداروں جعفر، علی، حمزہ رضی اللہ عنہم کے سوا کوئی ہاشمی آغازِ اسلام میں نظر نہیں آتا، جب کہ عبشمی، اُموی درجنوں کے حساب سے اسلام میں سبقت لے چکے تھے۔ جن میں سے چند ایک ہم بتائے دیتے ہیں۔ کریز اُموی کی دو بیٹیاں، اروی اور سُعدیٰ (حضرت عثمان کی والدہ اور خالہ) خالد بن سعید، عمرو بن سعید، عثمان بن عفان کہ تینوں سابق الاسلام ہیں اور بیویوں سمیت مہاجرین حبشہ ہیں۔ حضرت

ابوالعاص داماد نبی غزوۂ بدر کے بعد اسلام لائے مگر آغاز اسلام سے ہی نبی علیہ السلام اور اصحاب رضی اللہ عنہم نبی علیہ السلام پر احسان کرتے چلے آئے۔ یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سگے بھانجے بھی تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چچا کے ہاتھوں بہت دکھ اُٹھائے مگر نہایت ثابت قدم اور فضیلت پر قائم رہے، نبی پاک علیہ السلام کے دہرے داماد، مہاجر حبشہ پھر مہاجر مدینہ بنے۔ رملہ بنت شیبہ بن ربیعہ، ابوخدیفہ بنت عتبہ، سالم مولی ابی حذیفہ، اُم کلثوم بنت عتبہ، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہم فتح مکہ سے ایک دن پہلے، ان کے دو بیٹے یزید اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما غزوۂ حدیبیہ کے بعد اور دو بیٹے عتبہ اور عتیبہ اور زوجہ ہند رضی اللہ عنہم خوش دامن رسول فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے۔ بنی اُمیّہ کے حلیف قبائل مثلاً بنوغنم کے چالیس افراد آغاز اسلام میں داخل اسلام ہوئے۔ ابن اسحٰق اور ابن سعد نے ۲۳ مردوں اور ۸ خواتین کے نام لکھے ہیں۔ ڈھائی تین سو افراد کی روایت بھی آتی ہے۔ بہر حال تقابل مقصود نہیں، بہ امر مجبوری جواباً چند بزرگ نام گنوا دیے ہیں۔

مقالہ نگار نے لکھا ہے ''حضرت عثمان کی شہادت کا راز معاویہ، عثمان اور مروان کے تعلقات میں مضمر ہے۔''
لکھتے ہیں ''عام طور پر مخالفت پر تُلے رہے۔''

جواباً عرض ہے کہ اگر حضرت مروان صغار صحابہ میں ہیں، لیکن وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دو بیٹیوں کے خسر بزرگوار بھی ہیں۔ مگر آپ نے تو حضرت معاویہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہما کا استثناء نہیں کیا۔ جب کہ نبی پاک نے فتح مکہ کے موقع پر اعلان فرمایا تھا: مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَھُوَ اٰمِن. جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے اسے امان ہے۔

اگر چند ہاشمی نفوسِ قدسیہ نے سبقت اسلام کا شرف حاصل کیا تو یہی شرف بعینہ چند اُموی پاکبازوں نے بھی حاصل کیا، اگر جعفر طیار ہاشمی رضی اللہ عنہ نے تکالیف اٹھائیں اور حبشہ پھر مدینہ ہجرت کی تو عثمان اُموی رضی اللہ عنہ نے اُن سے زیادہ تکالیف اٹھائیں اور اپنی اہلیہ بنتِ رسول سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سمیت پہلے حبشہ پھر مدینہ ہجرت فرمائی۔ اگر ابوسفیان اموی اور عقبہ بن ابی معیط اُموی نے اسلام کی مخالفت کی تو ابولہب ہاشمی اور ابوسفیان بن حارث ہاشمی نے بھی نبی اُمّی علیہ التسلیم کی دشمنی اور عناد اسلام میں کمی نہیں چھوڑی۔ لہٰذا یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ اُمویوں نے غیر معمولی طور پر یا بنوہاشم کے ساتھ پرانے عناد کی وجہ سے اسلام اور رسول اکرم کی مخالفت کی تھی۔ کسی صحابی کے سوال پر اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کس نے نہیں کی؟ سوائے ایک دو کے سب نے مخالفت کی۔ حضرت عمر تو قتل کے ارادے سے چل پڑے تھے۔ دوسرے لوگوں نے کچھ کم مخالفت نہیں کی تھی۔ اور ابوسفیان بن حرب اُموی کی مخالفت تو اس لیے بھی تھی کہ وہ تمام قبائل قریش اور اہالیان مکہ کی طرف سے جنگی امور کے ذمہ دار تھے آج کی بولی میں بیک وقت وزیر دفاع اور وزیر جنگ۔

مقالہ نگار نے لکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اکیلے ہی نبی کے مخالف کیمپ سے تن تنہا ہاشمی کیمپ میں چلے آئے تھے۔ (اوپر مختصراً عرض کر دیا کہ اُموی خاندان اور ان کے حلفا کس قدر کثیر تعداد میں داخل اسلام ہوئے تھے)۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان بھی گزرا کہ کس نے مخالفت نہیں کی، وہ تو سب نے کی سوائے ایک دو کے اور یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اس وقت کے مکہ میں ہاشمی اور اموی کیمپ نہیں تھے بلکہ اصحاب وانصار رسول اور اعدائے رسول واصحاب رسول دو کیمپ تھے۔ ایک کیمپ مومنین محبان وفدایان

رسول کا تھا۔ جس میں ہاشمی بھی تھے، اموی بھی تھے۔ دوسرا کیمپ اعدائے رسول واعدائے صاحبِ رسول تھا جس میں ہاشمی ابولہب اور ابوسفیان بن حارث ہاشمی، اُموی عقبہ بن ابی معیط اور ابوسفیان بن حرب اُموی سے دشمنی رسول ودشمنی اصحاب رسول پیش پیش تھے۔ دوسرے خاندان مثلاً بنی مخزوم جو ابوطالب کی بیٹی کے سسرال اور ابوطالب کی دادی امّاں فاطمہ کے خاندان کے لوگ تھے۔ ابوجہل اس کے بیٹے عکرمہ اور خالد بن ولید اگر دشمنان نبی تھے (عکرمہ اور خالد بعد میں جیش اسلام کے کمانڈر رہے) تو اسی ابوجہل کے بھائی سلمہ اور چچا زاد بھائی ارقم بن ابی الارقم اور خالد بن ولید کے بھائی ولید بن ولید رضی اللہ عنہم سابقون الاوّلون میں سے تھے۔ اسی ابوجہل کی چچازاد بہن سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بھی سبقت اسلام اور خاوند سمیت ہجرت حبشہ سے سرفراز ہوئیں، پھر اُمّ المؤمنین کا اعلیٰ ترین رتبہ نصیب ہوا۔ اسی طرح دوسرے قبائل بھی ایمان اور کفر کے کیمپوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایمان اور کفر، حبّ رسول اور عداوت رسول کا رشتہ خونی رشتوں سے دونوں جانب بڑھ کر تھا۔ مسلمانوں کو ایمان رشتہ داریوں سے زیادہ پیارا تھا تو کفار بھی کفر کو برادری پر ترجیح دیتے تھے۔ نتیجہ یہ کہ اُموی، ہاشمی دو کیمپ فرض کرنا صاحب مضمون کے مسخ شدہ فکر تاریخ کا نتیجہ ہے۔ بلکہ ایک کیمپ نبی اور اصحابِ نبی کا تھا، دوسرا کیمپ اعدائے نبی اور اعدائے صحابہ کا تھا۔ مقالہ نگار نے بلاتحقیق لکھ دیا کہ ''نبی پاک نے تزکیہ فرمایا تو بنی ہاشم میں بنی اُمیہ کی رقابت دور ہوگئی، اُموی ہاشمی بھائی بھائی بن گئے، توحید کا جذبہ گھٹا تو غرضیں بڑھ گئیں۔ پھر دلوں میں تفاوت پیدا ہوگیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند سالوں میں خلافت نبوی اور امارت اسلامی کا شیرازہ بکھر گیا۔'' سوال: کیا نبی پاک علیہ السلام کا تزکیہ اتنا کمزور تھا؟ انسان کی حیا فوت ہوجائے تو وہ کچھ بھی کر گزرتا ہے۔ اگر نبی علیہ السلام کے تزکیہ یافتہ لوگوں کا جذبۂ توحید گھٹ گیا تو مقالہ نگار کے دل کی توحید کا منبع کس جگہ سے پھوٹتا ہے؟ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

لیجیے ایک اور انداز سے بات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں: بنو ہاشم، بنو عبدشمس، (بشمول بنو اُمیّہ)، بنو نوفل اور بنو مطلب۔ یہ چاروں خاندان بنی عبد مناف کی شاخیں تھی۔ یہ خاندان بنی عبد مناف قبل اسلام بھی تھا، زمانہ بعثت نبی میں بھی اور بعد میں بھی۔ مؤرخ ابن اسحٰق نے اور دوسرے اہلِ تاریخ نے لکھا ہے کہ جب کبھی بنی مخزوم یا کسی دوسرے قریشی قبیلے کے ساتھ کوئی معاملہ یا مقابلہ ہوتا تو بنو عبد مناف کے یہ چاروں خاندان متحدہ محاذ کی صورت میں نظر آتے چند مشہور مواقع کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱) جب آیت و أنذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو آواز دی اور دیگر قبائل کو رخصت دے دی۔ بنی عبد مناف کو روک لیا، انھیں دعوتِ اسلام دی، یہ وہی موقع ہے جب ابولہب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تبرا کیا تھا اور جواب میں سورت لہب نازل ہوئی۔ یہاں بنی ہاشم یا بنی اُمیّہ یا بنی عبدشمس کا ذکر نہیں فرمایا، بنی عبد مناف کو کلمہ اسلام کی دعوت دی تھی۔ (حیات الصحابہ عربی، اردو جلد اوّل، ص: ۱۱۵)

۲) ایک موقع پر کفار قریش اکٹھے بیٹھے تھے کہ وہاں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ ابوجہل نے استہزاء کرتے ہوئے وہاں موجود (ہاشمی اُموی وغیرہما.....عبد مناف) لوگوں سے کہا: ''اے بنی عبد مناف یہ ہے تمھارا نبی'' اس پر باوجود دشمنی اسلام کے بنی عبد مناف کے اسی اُموی شاخ کے سردار عتبہ بن ربیعہ نے کہا تھا: ''اے ابن ہشام اگر ہمارے (یعنی بنی عبد مناف کے) اندر کوئی فرشتہ اتر آئے یا کوئی نبی ہوجائے تو تمھیں تکلیف کیوں ہوتی ہے؟ خیال رہے کہ عتبہ مذکور ہاشمی نہیں تھا اور ہاشمی ابولہب یا دوسرا

کوئی نہیں بولا اور عبد شمس کی شاخ میں سے عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف نے بنی عبد مناف کی نمائندگی کی تھی۔ اسی موقع پر نبی پاک نے عتبہ سے فرمایا تھا کہ تم نے خاندانی عصبیت کا دفاع کیا ہے، اللہ کے رسول کا دفاع نہیں کیا (اوکما قال)

۳) فتح مکہ سے ایک روز پہلے حضرت ابوسفیان بطور قریشی قائد امور جنگ کے خود مسلمانوں کے لشکر کا معائنہ کرنے کے لیے آئے۔ حضرت عباس نے دیکھ لیا، اپنی پناہ کا اعلان کیا، حضرت عمر کی نظر پڑ گئی، کہا اس دشمن اسلام کا سر قلم کروں گا۔ بار بار اصرار پر حضرت عباس نے کہ وہ زمانہ جاہلیت سے ان کے ندیم تھے، فرمایا: اے عمر! اگر تمھارے خاندان (بنی عدی) کا کوئی فرد ہوتا تو تم بار بار اُسے قتل کرنے پر اصرار نہ کرتے مگر تمھیں بنی عبد مناف کی کیا پرواہ؟ یہاں حضرت عباس نے بھی بنی ہاشم یا بنی اُمیّہ کی بات نہیں کی بلکہ دونوں شاخوں کے جدامجد عبد مناف کا نام لیا...... حضرت عمر نے معذرت کی اور کہا کہ اے عمِ رسول اگر میرے والد اور آپ کا تقابل آپڑتا تو مجھے اپنے والد کے اسلام سے اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی اے عمِ رسول آپ کے اسلام سے ہوئی۔''

۴) مدینہ منوّرہ میں مجلس نبوی کے دوران پروانوں کی موجودگی میں ایک ثناخوانِ رسول نے کسی قدیم شاعر کے چند اشعار پیش کیے، جن میں ایک شعر یہ تھا:

یا أیها الرجل المحوّل رحله ألا نزلت بآل عبد مناف

ترجمہ: اے بے گھر مسکین مسافر تو آل عبد مناف کے پاس کیوں نہ حاضر ہوا۔ وہ تیرا فقر دور کرنے کے لیے کافی ہو جاتے
(رحمۃ للعالمین منصور پوری، ص:۶۳، جلد:۲)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہ شعر سن کر بے حد مسرور ہوئے...... یہ اشعار بنی عبد مناف کی تعریف میں تھے۔

۵) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق اعلیٰ چلے جانے پر ثانی اثنین سجادہ نشین مصلّیٰ نبوی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالی، بنی اُمیّہ شاخ کے ایک صحابی، خالد بن سعید رضی اللہ عنہ جو یمن میں کسی ذمہ داری نبھانے کے لیے بھیجے گئے تھے۔ جب مدینہ واپس پہنچے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان سے شکوہ کیا۔ الفاظ کچھ یوں تھے کہ تم آل عبد مناف کی موجودگی میں قریش کے عددی لحاظ سے ایک چھوٹے قبیلے کے ایک آدمی کو خلیفہ بنا دیا گیا؟۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہایت ٹھنڈے دل سے انھیں سمجھایا، فرمایا کہ خالد! تم اسے خلافت سمجھتے ہو یا خاندانی وراثت۔ ہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اہل سمجھا تو ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی...... حضرت خالد کی تسلی ہوگئی کہ ہاں یہ خلافت ہے...... یہاں بنی اُمیہ کے فردِ فرید حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے بنی ہاشم کی عظمت بیان کرتے ہوئے تعجب کا اظہار نہیں کیا کہ تم بنی ہاشم موجود تھے یا تم بنی عبدالمطلب موجود تھے بلکہ بنی عبد مناف کا نام لیا...... بنی عبد مناف کوئی معمولی خاندان نہ تھا۔

۶) دینی مدارس میں پڑھائی جانے والی ایک چھوٹی لیکن قد میں بڑی کتاب کا نام ہے ''پکّی روٹی'' مطلب ہے روحانی مکمل غذا...... اسی اہم کتاب کی ابتدائی چند سطور میں لکھا ہے (بزبان پنجابی)

''جے کوئی پچھے نبی پاک دیا کتنیاں پیڑھیاں یاد کرنی فرض ہن توں آکھ جی چار...... حضرت محمد بیٹے حضرت عبداللہ دے، حضرت عبداللہ بیٹے حضرت عبدالمطلب دے، حضرت عبدالمطلب بیٹے ہاشم دے، حضرت ہاشم بیٹے حضرت عبد مناف دے۔''

خلاصہ یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی چار پشتیں یاد رکھنا لازمی ہیں، ان میں چوتھے دادا حضرت عبد مناف ہیں۔ اکثر بڑے اصحاب رسول انہی عبد مناف تک جا کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم جدّ ہو جاتے ہیں پھر فہر (قریش) تک تو اصحاب عشرہ مبشرہ سمیت تقریباً سارے اصحابِ علیہم الرضوان اس شجرۂ طیبہ کے طیب آمیز ایک ہی گلدستہ بن جاتے ہیں۔ تو پکّی روٹی کی ان سطور میں بنی عبد مناف کی عظمت اور ایک لحاظ سے نبی خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اشارہ ہے۔

۷) نہج البلاغہ مشہور کتاب ہے جس میں بے شمار خطبات ومکتوبات وغیرہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب کیا گیا ہے۔ اس میں کئی مقامات پر حضرت علی نے حضرت امیر معاویہ کو خطاب کیا ہے یا ان کا اور ان کے خاندان کا ذکر کیا ہے۔ وہاں فرماتے ہیں کہ ہم اور تم اکفاء ہیں، ہم نے تم سے رشتے لیے ہیں اور تمھیں رشتے دیے ہیں۔ ہم نے کبھی تم پر تفاخر نہیں کیا نہ تم ہم سے زیادہ مفتخر ہو...... (گویا اُموی ہاشمی نسبت کی بجائے ہم سب بنی عبد مناف ہیں۔)

خلیفہ راشد سیدنا علی شیر جلی رضی اللہ عنہ سے منسوب سیکڑوں حکمتیں، کلمات واقوال اہل علم وحکمت اہل ایمان سے مخفی نہیں۔ ویسے تو نبی اُمّی کا ہر صحابی حکمتوں کی کان ہے تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ منفرد شان ہے، تو آیئے حضرت سے منسوب اسی قول کو لیتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آل علی یا بہ الفاظ دیگر بنی اُمیّہ و بنی عبد شمس اور بنی ہاشم میں کوئی بُعد نہیں، یہ سب لوگ اکفاء ہیں۔ ایک برابر ہیں، صرف ایک امر پر اختلاف ہو گیا۔ جس میں ہر فریق اپنے کو حق سمجھتا ہے۔'' (شہادت علی وحسین نیز شہادت طلحہ وزبیر یعنی جمل وصفین کے جھگڑوں میں اصل ہاتھ تو سبائی بلوائیوں کا ہے)

زمانہ جاہلیت ہو، آغاز اسلام ہو یا خلافت راشدہ یا حادثہ کربلا کے مابعد کا زمانہ، ہاشمیوں اور اُمویوں میں آپس کا شادی بیاہ جاری رہا۔ اس سلسلے میں اڑتالیس سے زائد رشتہ داریاں ہیں، یہ کیسے ممکن ہے کہ بقول معاندین کے عداوتیں بھی چل رہی ہیں اور بہنوں بیٹیوں کے رشتے بھی لیے دیے جا رہے اور عصبیت کی آخری حد تک غیور قریشی خاندانوں اُمویوں اور ہاشمیوں کو غیرت ہی نہیں آ رہی۔ فریق مخالف تو کہہ سکتا ہے، فلاں لڑکی فلاں شہزادے کے پاس بھاگ گئی...... اور یہ کہ حضرت نے تقیہ کر لیا یا فلاں نے غصب کر لی، مگر کیا ان غیرت کے پتلوں کی غیرت ان بے حمیتوں کو برداشت کر لیتی تھی؟...... یا یہ ایک سلسلہ خیر تھا جو ان اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کو ہر دینی ودنیوی ادا میں مثالی، واجب العمل دکھا رہا تھا۔ چند ایک مثالی رشتے محبت ومودت کے ملاحظہ کریں۔

۱) حرب اور عبد المطلب کے ندیم ہونے کا ذکر آ چکا...... انھی حرب کی بیٹی اُمّ جمیل عبد المطلب کے بیٹے ابولہب کی بیوی ہے اور عبد المطلب کی بیٹی، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ، حرب کے بیٹے حارث کی بیوی (حارث کی وفات پر عوام بن خویلد سے نکاح ہوا)، اُم الحکیم البیضاء بنت عبد المطلب ہاشمی کریز بن ربیعہ عبشمی کے گھر فاطمہ بنت عتبہ عبشمی، عقیل بن ابی طالب ہاشمی کی بیوی، ام حبیبہ بنت ابی سفیان اُموی آقائے دو جہاں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر یعنی اُم المؤمنین بنیں۔ ابوسفیان اُموی کی بیٹی ہند، حارث بن نوفل بن حارث بن عبد المطلب کے گھر۔ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی بہن میمونہ کی بیٹی لیلیٰ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ۔ زمانہ اسلام میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کے گھر عم النبی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی پوتی لبابہ بنت عبید اللہ بن عباس ہاشمی۔

بنت رسول زینب ابوالعاص (''مقسم الملقب بہ ''لقیط'') عبشمی کے گھر، بنت رسول رقیہ پھر بنت رسول اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہما کا نکاح ذی النورین عثمان غنی اُموی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی رملہ حضرت مروان بن حکم رضی اللہ عنہما کے بیٹے معاویہ کے نکاح میں، دوسری بیٹی حضرت مروان کے دوسرے بیٹے امیر المؤمنین عبدالملک کے نکاح میں یہی حضرت مروان بن حکم رضی اللہ عنہ اپنوں پرایوں میں بدنام کیے جاتے ہیں اور یہی حضرت علی کے دوہرے سمدھی ہیں۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی دو بیٹیاں نفیسہ اور حمادہ علی الترتیب ولید بن عبدالملک اور اسمٰعیل بن عبدالملک بن مروان اُموی کے نکاح میں۔ سیدہ نفیسہ کے بعد حضرت حسن کی دوسری بیٹی زینب بھی ولید بن عبدالملک کے نکاح میں۔ حضرت حسن کی پوتی خدیجہ اسمٰعیل بن عبدالملک اُموی کے نکاح میں۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی ایک اور پوتی حضرت مروان کے بیٹے معاویہ کے نکاح میں۔ اسی طرح سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہما کی بیٹی سکینہ پہلے حضرت مروان کے پوتے اصبغ بن عبدالعزیز بن مروان کے نکاح میں آئی، ان کی وفات پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پوتے زید بن عمرو کے نکاح میں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی نواسی ربیحہ حضرت مروان کے پڑپوتے عباس بن ولید کے گھر میں، سیدنا حسین ہاشمی رضی اللہ عنہ کی بیٹی فاطمہ عبداللہ بن عمرو بن عثمان غنی اُموی کے نکاح میں، حضرت علی کے بیٹے عباس علمدار کی پوتی نفیسہ حضرت معاویہ کے پڑپوتے عبداللہ بن خالد بن یزید کے گھر میں۔ (اب حکومت بھی اس خاندان میں نہ رہی تھی) سیدہ اُمامہ بنت ابی العاص عبشمی رضی اللہ عنہما حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ حضرت عائشہ بنت عثمان غنی اُموی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بھانجی یعنی سیدہ زینب کی بیٹی (حضرت فاطمہ کی نواسی حضرت عبداللہ بن جعفر کی بیٹی) اُمّ کلثوم کا نکاح ثانی اُموی گورنر حجاج بن یوسف کے ساتھ ہوا، پھر تیسرا نکاح اس ہاشمی خاتون کا حضرت عثمان غنی کے بیٹے ابان کے ساتھ ہوا۔ انہی اُمّ کلثوم کی بہن سیدہ اُمّ ابیہا ہاشمیہ کا نکاح حضرت مروان کے بیٹے امیر المؤمنین عبدالملک کے ساتھ ہوا۔ اس سے پہلے حضرت عبداللہ بن جعفر طیار ہاشمی کی بیٹی سیدہ اُمّ محمد حضرت امیر معاویہ کی بہو بن چکی تھیں۔ واقعہ کربلا کے بعد سیدہ زینب بنت علی و فاطمہ انھی سیدہ ام محمد (اپنی سوتیلی بیٹی) کے پاس ٹھہرتی تھیں۔ اور بھی درجنوں رشتے داریاں بنی ہاشم اور بنی اُمیّہ کی نکل آئیں گے۔ استقصا مقصود نہیں ہے، صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ بنو اُمیّہ اور بنو ہاشم جاہلیت سے لیکر آغاز اسلام تک اور پھر صفین و کربلا کے واقعات کے بعد تک خصوصاً حسنین کریمین کی بنو اُمیّہ سے رشتہ داریاں کیا اس حقیقت کا واضح ثبوت نہیں کہ بنی عبد مناف کی ان دونوں شاخوں میں نہ کوئی رقابت تھی نہ عداوت، نہ قبل از اسلام نہ بعد از اسلام اور نہ بعد از حادثۂ کربلا...... اس بات کو اُموی و ہاشمی سب چھوٹے اور بڑے سمجھتے تھے کہ یہ فتنے اعداء اسلام کی سازشوں سے وقوع پذیر ہوئے۔

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی سابق ڈائریکٹر شاہ ولی اللہ اکیڈمی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ لکھتے ہیں: یہ کہانی آپ نے عام طور پر سنی ہوگی کتابوں میں (سکول و کالج: از راقم سطور) عام طور پر سنائی جاتی ہے کہ بنو اُمیّہ اور بنو ہاشم میں رقابت تھی، دشمنی تھی لیکن یہ بات غلط ثابت ہوتی ہے اس لیے کہ کم سے کم تیس چالیس شادیاں دونوں خاندانوں میں اس زمانے کی موجود ہیں، تجارتی تعلقات موجود ہیں، ندیمی کے تعلقات ہیں، سماجی تعلقات ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کے

تعلقات ملتے ہیں۔ بحوالہ ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ، (اپریل ۲۰۱۴)

محقق العصر ڈاکٹر علامہ خالد محمود لکھتے ہیں: ''بنواُمیّہ اور بنو ہاشم آپس میں بہت قریب تھے، آپس میں بھائی چارہ اُن میں برابر قائم تھا...... یہ درست نہیں کہ جاہلی جذبے سے وہ ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے......افسوس کہ ہم اس سے اتفاق نہیں کر سکتے۔ (بحوالہ خلفائے راشدین، ص:۴۵۱)

علامہ صاحب لکھتے ہیں: یہ دعویٰ کہ اسلام کے نور سے یہ خاندانی رقابتیں صرف دبی تھیں، بجھی نہ تھیں، قرآن کریم کے اس تصور کے بالکل خلاف ہے۔ **واذکروا اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا و کنتم علی شفاحفرۃ من النار فانقذکم منھا.** (القرآن)

اگر ان غلط تاریخی روایات کو جوں کا توں لے لیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشن میں ناکام رہے۔ (حوالہ بالا)

بالکل یہی مفہوم، محقق دوراں مولانا محمد نافع (محمد شریف، جھنگ) اپنی تالیفات میں جگہ بہ جگہ لکھ چکے ہیں کہ ''خاندان امیر معاویہ خاندان بنو ہاشم کے قریب تر ہے، یہ کوئی غیر قبیلہ نہیں بلکہ سب اولادِ عبدِ مناف ہیں نیز یہ بھی واضح ہوا کہ ہر دو خانوادوں میں قبائلی عصبیت اور نسلی تعصب نہ تھا۔ اسلام لانے کے بعد دیرینہ عداوتیں اور دھڑے بندیاں ختم ہو چکی تھیں۔'' (سیرۃ امیر معاویہ، ص:۶۴)

یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان تمام الزامات کو بہ دلائل رد کر چکے تھے جو سبائی بلوائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر لگائے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت مروان رضی اللہ عنہ کا خط لکھنا، مہر لگا اور ان کے ایک غلام کے ذریعے مصر بھیجا جانا بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ باطل قرار دے چکے تھے۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی کئی جعلی خطوط لکھے گئے تھے جن کا بھانڈا بیچ چوراہے پھوٹ گیا تھا......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہہ چکے تھے اگر آپ نے قصاص عثمان نہ لیا تو معاویہ غالب آجائیں گے، لیکن تمام اصحابِ رسول علیہم الرضوان کو اُمّت نے مجتہد مانا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد کی روشنی میں کسی کی ہدایات کے پابند نہیں تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی مجتہد تھے۔ لہٰذا دونوں نے اپنے اجتہاد پر مخلصانہ عمل کیا۔ جنگِ جمل میں صلح ہو چکنے کے بعد رات میں سبائی ٹولے نے جنگ چھیڑ دی، اس طرح جنگ صفین میں سبائی بلوائیوں ہی نے حضرت علی کو غلط مشورے دیے۔ مقالہ نگار مسٹر عابد علی (پشاور) نے خود ہی آخر میں تسلیم کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا، جو یہودی النسل تھا، نے ''کوفہ، بصرہ، (مصر) وغیرہ میں منافق پارٹیوں کو منظّم کیا۔ لیکن موصوف نے بلا دلیل یہ بھی لکھ دیا کہ ان کے ساتھ مروان کا ہاتھ بھی تھا'' (مروان حضرت عثمان کے داماد اور ان کے دو بیٹے حضرت علی کے داماد تھے جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے) اصل میں بقول انجم نیازی

حدیث اور قرآں ہے ماخذ ہمارا　　کہ تاریخ تو کوڑا کرکٹ ہے سارا

تاریخ کی صرف وہ روایات ہم قبول کریں گے جو قرآن وحدیث اور اصحابِ رسول کے خلاف نہ ہوں گی۔

مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی (کاندھلہ، انڈیا) (قسط:۳ آخری)

صحابۂ کرام، خصوصاً ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے سیدنا علی اور خانوادہ حسنین رضی اللہ عنہم کی متواتر رشتہ داریاں

مشاجرات کی روایات حقیقت یا افسانہ:

اس وقت جب حضرات صحابہ کی عظمت پر پھر سوالات اٹھائے جارہے ہیں، ان کی شان میں گستاخیوں کی بات کی جارہی ہے اور ان سے محفوظ قرآن مجید، سنت واحادیث نبوی اور شریعت کی بنیادوں پر نئے تیشے نئے حربے آزمائے جارہے ہیں، ضرورت ہے کہ اس بات کو اپنے ذہن ونظر اور مطالعہ میں ایک بار پھر تازہ کرلیا جائے کہ حقیقت دین کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے جس کارواں اور قائدین نے واضح کیا، وہ پہلے بھی ایک ہی جماعت تھے، ایک ہی کہکشاں کے آفتاب و ماہتاب تھے اور ایک ہی منبع سے منور ہوکر، ضوفشانی فرماتے رہے، بعد میں بھی ہمیشہ ایک ہی رہے۔ ان میں نہ اس وقت اختلاف تھا جب وہ دامنِ رسالت کے زیر سایہ زندگی گزار رہے تھے، نہ اُس وقت تھا جب ان میں سے ثانی اثنین یار غار (سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کو مسند خلافت سپرد کی گئی، نہ اُس وقت تھا جب ’’لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِی لَکَانَ عُمَر‘‘ کے مصداق (سیدنا عمر فاروق اعظم) اپنے اقتدار اور تدبر وانتظام سے ملّت اسلام کو، نئی فتوحات، نئی بلندیوں، نئی ترقیات اور نئے حصوں تک اسلام پہنچا کر، سرخرو اور کامیاب فرمارہے تھے۔ تاہم بعد کے حالات میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان بعض غلط فہمیاں پیش آئیں اور اختلافات ومشاجرات ہوئے لیکن ان کے دل ہمیشہ صاف رہے، انھوں نے ان اختلافات ونزاعات کو اپنے دامن سے بھی جھٹک دیا تھا اور اپنی اولادوں کو اس کے اثرات سے محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کی۔

اس لیے یہ ان کے باطن کی خرابی اور قلبی اندرونی اختلاف کا اثر نہیں، بلکہ صرف اختلاف رائے کی بات تھی۔ شرح عقائد نسفی کا اقتباس اوپر گزر گیا ہے، اس میں فرمایا گیا ہے:

’’وَ مَا وَقَعَ بَیْنَہُمْ مِنَ الْمُنَازَعَاتِ وَالْمُحَارَبَاتِ فَلَہٗ مَحَامِلُ وَ تَاوِیْلَاتٌ‘‘

ان حضرات کے درمیان جو بھی اختلاف ومشاجرات ہوئے، انھوں نے ان کو قطعاً بھلا دیا، فراموش کردیا تھا۔ ان کی بعد کی زندگی، ان کے باہمی تعلقات، خاندانی رشتے، عظمت واحترام اور روابط اسی طرح باقی رہے۔ ان حضرات کے باہمی تنازعات واختلاف کی جو روایت واطلاعات اور تاریخی معلومات ہیں، ان کے ساتھ ایک بڑی خطرناک سازش ہوئی ہے۔ چونکہ کہ اس طرح اکثر روایتوں کے نقل کرنے والے اور ان روایتوں کی مدد سے اوّل اوّل تاریخ مرتب کرنے

والے، اسی خیال و فکر کے اشخاص تھے جو اختلاف و عدم توازن کے شکار تھے، اس لیے ان کو پڑھتے ہوئے بہت احتیاط کی اور بہت غور و فکر کی ضرورت ہے کہ:

ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

خانوادۂ علی رضی اللہ عنہ میں حضرات شیخین کے ناموں کا معمول اور اہتمام:

یہ بھی ایک عالم آشکارا اور بے غبار حقیقت ہے کہ اگر اللہ نہ کرے، ان حضرات کے درمیان بعد میں یا شروع میں زندگی کے کسی دور میں بھی، بد اعتمادی، اختلاف اور بے تعلقی کی ایسی کوئی بات ہوتی جس کا تذکرہ کیا جاتا ہے اور ان کے شفاف دامن کو آلودہ کرنے کی جسارت کی جاتی ہے، تو کیوں یہ حضرات اپنے خاندانی رشتے اس شدت و قوت سے باقی رکھتے، کیوں اپنی اولادوں کے نام پر ابوبکر، عمر، عثمان، عائشہ رکھتے۔ کیونکہ ان کی یادوں کو ہر وقت اپنے سامنے تازہ رکھتے اور کس وجہ سے اپنے اخلاف کو، ان حضرات کے خاندانوں سے رشتہ ناتا جوڑنے کی تاکید و اہتمام فرماتے اور اس میں کوشش کا مزاج بناتے؟

ذرا غور تو فرمایے! حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں کی قریبی اولاد میں سے، چار کے نام ابوبکر، پانچ کے عمر اور پانچ ہی کے نام عائشہ ہیں۔ بھلا کون اپنے دشمنوں کے نام پر اپنی اولادوں کے نام رکھتا ہے، کون ان لوگوں سے جن سے پشتینی، خاندانی عداوتیں ہوں، اپنی بیٹیاں دینا اور ان گھروں میں اپنے لڑکوں کی شادی کرنا پسند یا گوارہ کرتا ہے۔ ان حضرات کے باہمی رشتے اور قریب ترین گہرے تعلقات کی جو مصدقہ تفصیلات اور معتبر شجرے، ڈنکے کی چوٹ پر اس فاسد خیال اور بے اصل پروپیگنڈے کی تردید کرتے ہیں اور کہہ رہے ہیں:

اے کاش حقیقت کی کچھ ان میں جھلک ہوتی		واعظ تری تقریر افسانے ہی افسانے

اس مطالعہ سے چند نہایت حیرت انگیز چونکا دینے والی معلومات سامنے آتی ہیں، جو اپنے آپ میں بڑی دریافت اور عجوبہ کی حیثیت رکھتی ہیں:

(۱)	حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی جو نسلیں معروف و موجود ہیں، وہ تمام تر وہ ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پوتیوں، نواسیوں اور اسی طرح حضرت عمر فاروق کی اولاد سے ہوئی ہیں۔

(۲)	حضرت امام جعفر صادق اس پر فخر کرتے تھے کہ میری مادری نسبت (والدہ اور دادی) دونوں کا سلسلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جڑا ہوا ہے۔

(۳)	حضرات شیخین (ابوبکر و عمر) رضی اللہ عنہما کے علاوہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی تمام زوجات غیر عرب، عجمی

خاندانوں سے تھیں۔

(۴) شیعہ صاحبان کی روایات میں، ان کے اماموں کی مادری نسبت (حضرت جعفر صادق کے بعد) اور ثبوت میں سخت اختلاف ہے۔

دقیق علمی مباحث، متکلمانہ مناظراتی بحثوں سے قطع نظر، یہاں درج یہ اطلاعات اور شجرے ہی اس کی مکمل تردید کررہے ہیں کہ ان خاندانوں میں آپس میں سخت اختلافات تھے اور دونوں کی مذہبی فکر اور راستے الگ الگ تھے۔ اس تاریخی مطالعہ کی ایک ایک کڑی اور ہر اک شاخ کے آپس کے معتبر قریبی رابطے اور رشتہ داریاں بہت صاف صاف کہہ رہی ہیں کہ ان دونوں سلسلوں، خاندانوں اور اہل نسبت میں آپس کے اختلاف، بداعتمادی اور قطع تعلقات کی روایات وخبریں غلط اور بالکل غلط ہیں۔

اس نظریہ کا ناقابل تردید ثبوت ان خاندانوں کی باہمی رشتہ داریاں ہیں، ان سے ہمارے اس نظریہ بلکہ عقیدہ کی توثیق ہورہی ہے، جو شیعہ علماء مورخین اور ماہرین علم الانساب نے اپنی کتابوں میں تحریر کیے ہیں اور یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو آج نئی دریافت ہوئی ہو، بلکہ قدیم سے قدیم ترین مؤرخین اور علمائے انساب نے ان سب کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی صداقت کو بلاخوف تردید ظاہر بھی کیا ہے۔

نورالحسن راشد کاندھلوی

۱۷؍رجب ۱۴۳۲ھ

خالد ہمایوں

تقریر میں مقامی زبان کی اہمیت

تقریر میں ابلاغ کا حسن پیدا کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ ہم اپنے سامعین کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھیں، ان کی زبان کے روز مرہ محاوروں اور ضرب الامثال کو موقع محل کے مطابق استعمال میں لائیں۔ یعنی موضوع اور مضمون کے مطابق ایسی تشبیہات، استعارات وغیرہ لائیں جس سے سامعین کے جمالیاتی احساس کی بھی تسکین ہو۔ وہ نہ صرف آپ کے نقطۂ نظر کے حامی بن جائیں بلکہ آپ کے اندازِ بیان سے بھی حظ اٹھائیں۔

ایک دفعہ گجرات شہر میں آغا شورش کاشمیری خطاب کر رہے تھے۔ ان کے ایک ایک جملے پر حاضرین داد دے رہے تھے۔ بار بار ''آغا شورش کاشمیری زندہ باد'' کا نعرہ گونجتا۔ آغا صاحب کہنے لگے: ''بھائی! آپ کے زندہ باد کے نعروں کا کیا اعتبار، میں حسین شہید سہروردی کے ساتھ آیا تھا تو آپ لوگوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا تھا، ہم آپ کے ساتھ ہیں، تو میں نے کہا تھا، یار تمھارے تو کبھی گھڑوں نے وفا نہیں کی تم کیا کرو گے۔''

اہل گجرات نے اس جملے سے خوب لطف اٹھایا کیونکہ اس میں مقامی لوک داستان ''سوہنی مہینوال'' کی طرف اشارہ تھا۔ (سوہنی جذبۂ عشق کے ہاتھوں مجبور ہو کر کچے گھڑے ہی پر دریا پار کرنے پر تیار ہو گئی تھی)۔ پھر چند منٹ آغا صاحب نے اسی لوک قصے کی مدد سے ایک اور نکتہ پیدا کیا۔ کہنے لگے: ''دراصل ہمارے حریفانِ فرومایہ تہی دستانِ غیرت ہو گئے ہیں۔ غیرت اگر جاگ اٹھے تو کچے گھڑے میں جاگ اٹھتی ہے کہ میں کسی کی بیٹی کو پار نہیں جانے دوں گا یہیں ڈبودوں گا، نہ جاگے تو انسان میں نہیں جاگتی صبا کی طرح جھومتی چلی جاتی ہے۔''

رئیس الاحرار سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو برصغیر پاک و ہند کا سب سے بڑا خطیب مانا جاتا ہے۔ کئی کئی گھنٹے مسلسل بولتے اور تمام وقت مجمع گوش برآواز رہتا۔ جب چاہتے آہ کا سماں پیدا کر دیتے، لوگوں کی آنکھوں میں برسات کی جل تھل ہو جاتی اور جب چاہتے ہر طرف واہ واہ کی صدائیں گونجنے لگتیں۔

ایک دفعہ ایک دیہاتی علاقے میں تقریر کر رہے تھے۔ موضوع واقعۂ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ فرمانے لگے، معراج کی رات اللہ کے محبوب ﷺ جب اللہ سے ملنے چلے تو کائنات رک گئی۔ شاہ جی نے مجمعے سے پوچھا، سمجھ آئی میں نے کیا کہا ہے؟ مجمعے نے نفی میں سر ہلا دیے۔ شاہ جی نے پھر اپنا جملہ دہرایا کہ معراج کی رات جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خالق و مالک سے ملاقات کرنے کے لیے روانہ ہوئے تو وقت کی رفتار ٹھہر گئی، رک گئی، تھم گئی۔ کئی مترادفات بولے لیکن مجمعے کا پھر بھی نفی ہی میں جواب تھا۔ بات ذرا فلسفیانہ تھی، سادہ لوح دیہاتیوں کے ذہنوں میں کیسے اترتی!

شاہ جی نے بیان کا پینترہ بدلا۔فرمایا اچھا،اس طرح نہیں سمجھ سکتے تو یوں سمجھ لو:

تیرے لونگ دا پیا لشکارا
تے ہالیاں نے ہل ڈک لے

یعنی محبوب کے حُسن کو اس کی ناک کے لونگ نے یوں دوبالا کر دیا کہ کھیتوں میں ہل چلانے والے ''ہالی'' اتنے محو ہوئے کہ جہاں کھڑے تھے، وہیں کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔

دراصل شاہ جی نے ایک فلسفیانہ حقیقت سمجھانے کے لیے پنجابی ''بولی'' کا سہارا لیا تھا۔ بولی لوک شاعری کی ایک صنف ہے، اس میں ایک مصرع ہی ہوتا ہے جسے دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اسے پڑھیں تو اس میں غضب کی روانی بھی محسوس ہوتی ہے اور بلاغت کے تو کیا کہنے۔

ایک دفعہ حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس قرآنی آیت کی تشریح کر رہے تھے جس میں کہا گیا ہے کہ ہم انسان کی شہ رگ کے قریب ہوتے ہیں لیکن وہ غیروں کے دروازوں پر دھکے کھاتا پھرتا ہے۔ شاہ جیؒ نے ایک پنجابی ٹپا پیش کیا تو سامعین جھوم اٹھے، فرمایا:

ماہیا وے ماہیا!! دیوے وچ تیل نہیوں
کول پیا وسنا ایں تے ملنے دی ویہل نہیوں۔

ترجمہ: دیے میں تیل نہیں ہے، میرا محبوب رہتا تو میرے ہمسائے میں ہے لیکن مجھے ہی ملنے کی فرصت نہیں ملتی۔

خیال رہے کہ ٹپے کا پہلا مصرع برائے بیت ہوتا ہے۔ معنوی طور پر دوسرے مصرع سے مطابقت نہیں رکھتا لیکن قافیے کی مطابقت ضرور ہوتی ہے جیسے اوپر ذکر کیے گئے ٹپے میں ''تیل'' اور ''ویہل'' کا قافیہ ہے۔

گوجرانوالہ شہر کے ایک خطیب مولانا عبدالرحمٰن جامی تھے۔ زندگی کے آخری دو چار برس بادشاہی مسجد لاہور کے بھی خطیب رہے، وہاں تو اردو میں تقریر کرتے تھے لیکن ان کے طرزِ بیان کو پنجابی ہی چار چاند لگاتی تھی۔ ایک دفعہ اس حدیث کی تشریح کر رہے تھے جس میں نصیحت کی گئی ہے کہ ''جو لوگ دنیا سے چلے جاتے ہیں انھیں بھلائی سے یاد کیا کرو۔'' سید وارث شاہ کا شعر پڑھا:

وارث شاہ ایہہ رب دیاں رب جانے
وارث رد ہویا کہ قبول ہویا

ترجمہ: وارث شاہ! یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ مرنے کے بعد انسان اس کی بارگاہ میں قبولیت پاتا ہے یا رد کر دیا جاتا ہے۔

پھر یہ مصرع بار بار یوں پڑھا کہ سامعین عش عش کر اٹھے۔ فرمانے لگے: ”میاں! دنیا سے جانے والا جس کی جھولی میں سر رکھ کر جان دے رہا ہوتا ہے، اسے بھی خبر نہیں ہوتی کہ جانے والا جنت کے محل دیکھ رہا ہے یا جہنم کے شعلے دیکھ رہا ہے۔ تو پھر ہم آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وارث رَد ہو یا کہ قبول ہو یا۔ یہ تو رب ہی جانتا ہے۔

بعض اوقات مولانا جامی ہندی اشعار سے بھی بیان کے حسن کو پر لطف بنا دیتے۔ مثلاً حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ بیان کر رہے تھے۔ پورے مکہ میں گھومنے کے بعد حلیمہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند کے پاس آئیں اور بتایا کہ بچے تو سب دائیاں لے گئی، البتہ ایک یتیم بچہ ہے۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر نے جواب دیا: **عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّجْعَلَ لَنَا فِیْہِ بَرَکۃً.** قریب ہے کہ اللہ اسی میں ہمارے لیے برکت دے دے۔

چنانچہ وہ بچہ گود میں لیا تو برکات کا ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ حلیمہ نہال ہوگئیں۔ یہ صرف اس لیے ہوا کیونکہ انھوں نے اللہ پر توکل اختیار کیا تھا۔ اس موقع پر مولانا جامی صاحب نے تلسی داس کا شعر پڑھا جو موقع محل کے اعتبار سے بڑا ہی موزوں تھا، سامعین نے خوب داد دی۔ شعر یہ تھا:

تلسی بروا باغ میں سینچت بھی کملائے
رام بھروسے جو رہے پربت پر لہرائے

پودے تو کوٹھیوں اور باغوں میں بھی اُگتے ہیں، مالی انھیں سردی گرمی سے بچاتے ہیں، وقت پر ان کی گوڈی بھی کرتے ہیں لیکن وہ سوکھ سڑ جاتے ہیں، البتہ وہ پودے ہمیشہ سرسبز شاداب رہتے ہیں جو پہاڑوں کی چوٹیوں پر اُگتے ہیں، حالانکہ ان کی وہاں پر کوئی مالی بھی رکھوالی کرنے والا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کا آسرا مالی پر نہیں، مولا پر ہوتا ہے۔

(بہ شکریہ: ہفت روزہ ایشیا، لاہور۔ ۲۳ تا ۲۹/ اکتوبر ۲۰۱۴ء، جلد: ۶۳، شمارہ: ۴۳)

محمد الیاس کبیر

ذوالکفل بخاریؒ کی نظم ''کتبہ'' ـــــ ایک نوحۂ ناتمام

ذوالکفل بخاری کا شمار اُن معدودے چند تخلیق کاروں میں ہوتا ہے جو بہت ہی قلیل وقت میں تخلیقی شعور سے آگاہ ہوگئے۔ انھوں نے ایسے وقت میں جان جانِ آفریں کے سپرد کی جب ان کے فن کا سورج ''سوا نیزے'' پر تھا۔ وہ بہت جلد ترقی کی منازل طے کر گئے اور کامیابیوں سے اپنا دامن بھرلیا۔ شاعری، نثر، کالم نگاری، صحافت، لغت نگاری، تبصرہ نگاری، تراجم، تنقید کے میدان میں انھوں نے اپنے فن کا لوہا کچھ اس طرح منوایا کہ بڑے بڑے ادیبوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرالی۔ ذوالکفل بخاری نے اپنی نظموں کو اسلوب، ہیئت، مواد اور موضوع و مضامین کے اعتبار سے ایک جدید لب ولہجہ اور روایتِ جدید دی ہے۔ ان کے ہاں داخلیت کا اظہار ملتا ہے اور داخلیت بہر حال خارجی حالات سے جنم لیتی ہے۔ وہ اپنے غم آگیں احساسات و تاثرات کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ان کا لب ولہجہ بہ نسبت دیگر شعرا تند و تیز اور پر جوش نہیں ہونے پاتا بلکہ اس میں ایک دھیمی دھیمی آنچ کی سی کیفیت رہتی ہے جو ایک طرف تو فن کی شان برقرار رکھتی ہے اور دوسری طرف معاشرتی و سماجی الجھنوں کا احساس قاری کے ذہن تک رسائی پاتا ہے۔ اُن کی نظمیں الفاظ کے مناسب انتخاب اور جذبات و تخیلات کی بلندی کے باعث انفرادیت کی حامل ہیں۔

کتبہ اور قبر، موت کی علامت ہونے کے باوجود حیات بعد ممات کی آرزو کے مظہر بھی رہے ہیں۔ اپنے ہم عمروں اور ہم عصروں کی موت کی نوحہ گری میں فی الاصل احساسِ فنا کے بین بین تمنائے حیات کا ایک گوشہ بھی موجود ہوتا ہے۔ اگر تصویر کا دوسرا رخ دیکھا جائے تو یہ احساس دل کے کسی گوشے میں جاگزیں ہوتا ہے کہ اس میں دنیا کی بے ثباتی اور بے اعتنائی جلوہ ریز ہے۔ کتبہ اُس موت کی پہچان ہے جو حیات افروز ہے۔ جس میں زندگی مسرت آمیز ہے، لیکن پھر بھی اس میں کرب و اذیت کے پہلو حیرت انگیز ہیں۔ یادِ ایام کا ایک ایک پل اور ایک ایک لمحہ ناقابل فراموش ہوتا ہے۔

۲۰۰۵ء میں ذوالکفل بخاری نے اپنے عزیز ترین دوست انجینئر حافظ محمد ارشاد کی دل گیر جواں مرگ پر ایک نظم ''کتبہ'' لکھی، جو بہت پسند کی گئی اور بڑی دیر اور دور تک اس کی بازگشت سنی گئی۔ یہ نظم اپنی فکری اور معنوی محاسن کی وجہ سے انفرادیت کی حامل ہے۔ دونوں دوستوں میں بہت سی باتیں مشترک تھیں۔ دونوں ٹریفک حادثے کا شکار ہوئے۔ دونوں مخلص اور ملنسار تھے۔ دونوں نے بہت کم عمر پائی اور دونوں نے عین عالم شباب میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اس لیے یہ نظم جہاں ان کے دوست کا کتبہ ہے وہیں اس کا انطباق خود انہی پر بھی ہوتا ہے۔ انھیں زندگی میں ہی اپنی موت کا ادراک ہوگیا

تھا۔جبھی تو یہ اُن کے اپنے نوحے کی نوشت معلوم ہوتی ہے۔یعنی مرثیۂ ذات (Self Epitaph)۔نظم پڑھتے ہوئے خیال بار بار ذوالکفل بخاری کی طرف بے اختیار چلا جاتا ہے کہ یہ خوبیاں اُن میں بھی بدرجہ اتم موجود تھیں۔

فنی اعتبار سے یہ نظم آزاد ہیئت میں ہے۔چونکہ یہ ہیئت انھیں بہت پسند تھی، اس لیے ان کی اکثر نظمیں اسی Pattren میں لکھی گئی ہیں۔انھوں نے چھوٹے بڑے مصرعوں میں خیالِ مرگ کو فنکارانہ چابک دستی اور کمال مہارت سے بیان کیا ہے۔عنوان اور موضوع میں ہم آہنگی شاعر کی خلاقانہ حسیت (Creative Sensibility) کا پتا دیتی ہے۔اس نظم کی سادگی اور دلکشی ابتداء سے آخر تک قاری کے دل کو اپنے سحر میں لیے رکھتی ہے کیونکہ یہ جدید شاعری کے تمام لوازم ومقتضیات کی حامل ہے۔اس نظم کی قرأت سے فوری طور پر جو مضامین ذہن پر مرتسم ہوتے ہیں، کچھ اس طرح ہیں: احساسِ فنا، عدم تکمیل حیات، جذباتی رفاقت، فلسفیانہ اور منطقی انداز، علامتی پیرایہ بیان، احساسِ جواں مرگ۔شاعر کا اردو، فارسی اور عربی مرکبات سے لبریز اسلوب اور بیک وقت ہندی صنمیات کے حوالہ جات، اشارات پر عبور اور ان کی تفہیم عمیق نگہی کا واضح ثبوت ہے۔وہ ایک وسیع المطالعہ شخص تھے اور عربی، فارسی اور انگریزی کے علاوہ ہندی میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔''کتبہ'' میں انھوں نے نئے عناصر اور نئی تراکیب وضع کی ہیں جو عربی، فارسی اور ہندی سے ان کے غیر معمولی شغف کا ثبوت ہیں۔ان تراکیب کی جدت اور ندرت نے نظم کے فنی حسن کو چار چاند لگا دیے ہیں۔

مثلاً فارسی تراکیب ''جہاں گردِ زمانہ، ناکشودہ، محوِ سفر، پُرتحیر، تشنہ دہانی'' اور ہندی الفاظ ''مہا گیانی، سبھا ساجن، شَبد، بانی، پریمی، سیلانی پریتم، بھیدیا، جیون جگت، سنجوگ، سنگت، سانجھ، سمبندھ، جیون'' نظم کے رنگینیٔ حسن کو فزوں تر کرنے کا باعث ہیں۔

''کتبہ'' میں وہ جملہ فنی محاسن ملتے ہیں جو کلاسیکی شعری روایت کا حصہ ہیں۔لیکن یہ صنعتیں صرف خالی صنعت سازی نہیں ہے۔یہ کسی طور بھی معنی اور ابلاغ کا خون نہیں ہونے دیتیں۔ان کے مصرعوں میں صنعت سرحرفی تماثل (Alliteration) کی بہترین مثالیں موجود ہیں۔مثلاً: ''بھیدیا، بھیدوں بھرے'' اور ''سنجوگ، سنگت، سانجھ''۔ہندی لہجہ میں ''ہم صوتیت'' کے حسن کو مدِنظر رکھا گیا ہے۔

ایک خصوصی احساس جو شاعر کی ناگہانی وفات کے بموجب بالآخر سوانحی ثابت ہوا۔نظم کی ابتداء میں تأسف اور تحیر خود باعثِ حیرت ہے۔جسے شاعر نے اپنے دوست کے بچھڑنے پر بے ساختہ نظم میں متشکل کر دیا ہے۔ذوالکفل بخاری جہاں گرد تو نہ تھے لیکن انھوں نے سفر کی بعض شرائط ضرور پوری کی تھیں۔ان کی جہاں گردی کا مطمحِ نظر صرف اور صرف حجازِ مقدس کی منزل پر پہنچنا تھا۔انھوں نے مختصر مگر جامع سفرنامہ (''روشنی، پھول، صبا......'') بھی لکھا۔جو ان کے صاحبِ طرز نثّار ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔انھوں نے اپنے دوست کو ''جہاں گردِ زمانہ'' قرار دے کر ایسے سفر کا راہی بنایا

ہے جو ابھی نہیں کھلا۔ جو مختلف، اچھوتا، منفرد اور لامحدود ہے۔ ہر دم متحرک اور ہر وقت نئی نئی منزلوں کو دیکھنے کا مشتاق اور متجسس سیاح (Curious Turist)۔ یہ مناظر اور یہ منازل ابھی اس کی آنکھوں سے اوجھل ہیں، ابھی اس کے دروا نہیں ہوئے۔ یہ سب کچھ ابھی اس کے چشمِ تخیل میں پنہاں ہے، وہ انھیں واشگاف کرنے کا متمنی ہے۔ ان منازل کی تلاش میں سرگرداں مسافر سفرِ مسلسل کی کیفیت میں مبتلا ہے۔ وہ سب کچھ دیکھنا چاہتا ہے اور دوسروں کو اس میں شریک کرنے کا خواہ ہے۔ نظم کی ابتداء ہی اتنی جاندار ہے کہ اس میں حیاتِ جاوداں اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

وہ جہاں گردِ زمانہ
ناکشودہ منظروں کے کھوج میں محوِ سفر
نت نئی راہوں پہ پھیلی
شاعر خود تشنہ لب ہے، اور یہ تشنگی

شاعر کی یہ تشنگی ہزاروں سالوں پر محیط ہے جو اُسے صحرائے عرب سے آبیاتِ ہند تک لائی لیکن یہ پھر بھی بے آبی کا شکار رہی اور اُس کی مرگِ ناوقت پر منتج ہوئی۔ یہ تشنہ دہانی بے ثمری نہ رہی بے وفائی حیات تو بہر حال ثابت ہوئی۔ شاعر نے مجید امجد کی نظمیات کے ہاں موجود جو عدم طمانیتِ حیات کا حوالہ ہے اس کا اظہار اور ادراک اپنی حیات کے نصف النہار میں اپنے ایک دوست کے حوالے سے مگر اپنے نوحے کو ہی رقم کیا ہے۔

پُرتحیرّ روشنی کی اَن چھوئی ٹھنڈک کا پیاسا
صد ہزاراں سال کی تشنہ دہانی لے گیا

نظم کے اختتام میں خلائے حیات کا شدید احساس ہے جو لہجے میں بے ساختگی، برجستگی، خلوص، محبت، رعنائی خیال اور ترنم ریزی پیدا کر رہا ہے۔ شاعر کا لاشعور کہیں نہ کہیں روایت سے جڑا ہوا ہے۔ انتہائے نظم تک تخلیق کار نے غم و اندوہ کی کتنی انتہاؤں کو چھوا ہے اور اس کے ذائقے سے آشنا ہوا ہے۔ یادِ رفتہ نے اُسے بڑے جانگسل انداز سے ستایا ہوگا۔ شاعر نے باطن کی روشنی اور اُجلے پن کو آنکھوں کی چمک کی صورت میں تلاش کیا ہے۔ باضمیر اور صاحبِ بصیرت حیات کی جدائی بہر حال ایک المناک دکھ اور اندوہ ناک کرب ہوتا ہے۔ جو عین عالم شباب میں بے داغ، روزِ روشن کی طرح شفاف، واضح اور لہو ولعب سے پاک جوانی لے کر چلے گئے۔ جوانی کا یہ اُجلا اور نکھرا پن بہت کم لوگوں کے حصے میں آیا ہے۔

روشنی باطن کی، آنکھوں کی چمک
دوپہر کی دھوپ سی اُجلی جوانی لے گیا

یہاں تک آتے آتے شاعر کا رجحان ہندی الفاظ کی طرف بے ساختہ چلا گیا ہے۔ ویسے بھی وہ اپنی نظم ونثر میں

ہندی الفاظ کو کثرت سے استعمال کرتے تھے۔ یہ سوال ابھی تشنہ تکمیل ہے کہ اس کی کیا وجہ تھی؟ ذیل کے ہندی الفاظ میں ایک ایسا صوتی آہنگ ہے جو موسیقیت اور نغمگی پیدا کررہے ہیں۔ وہ جو مہا گیانی (عارفِ کامل) تھا، وہ اپنی گیان دانی (دماغ، ذہن)، شبد (الفاظ)، بانی (بول، زبان) لے گیا ہے تو اس کی عدم موجودگی میں محبت کے سارے رنگ پھیکے اور بے رنگ ہیں۔ اُس کے بغیر محفلیں اداس اور سونی سونی ہیں۔ کیونکہ وہ سبھا ساجن (محفل کا دوست) اور پریتم (محبوب) تھا۔ وہ ایسا بھیدیا (رازدار) تھا جس کی جیون جگت (دورِ حیات) خود راز تھی۔ وہ گیا ہے تو اپنے سنجوگ (رفاقت) سمبندھ (تعلق) اور زندگی کی پوری کہانی بھی ساتھ ہی لے گیا ہے۔

اک مہا گیانی جو اپنی گیان دانی لے گیا
شبد اپنے لے گیا وہ، اپنی بانی لے گیا
وہ سبھا ساجن، پریمی، ہاں وہ سیلانی پریتم
بھیدیا، بھیدوں بھرے جیون جگت کا بھیدیا
سنجوگ، سنگت، سانجھ کے، سمبندھ کے بھیدوں بھری
جیون کہانی لے گیا

یہ پیتا لکھتے ہوئے ذوالکفل بخاری کا کہنا ہے کہ کتنے عظیم وارفع لوگ چلے گئے۔ ان کے کردار وعمل رہ گئے ہیں۔ ان کی عدم موجودگی میں صرف بیکار اور لایعنی مقاصد میں سرگرداں لوگ ہیں۔ جن کے وجود سے کسی کو کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔ ایک خلاء حیات ہے جو کبھی بھی پُر نہیں ہوسکتا۔ یہ ہمارے معاشرے کا ایسا المیہ ہے کہ صرف آدمی رہ گئے ہیں، انسانیت مرگئی ہے۔ ہم قحط الرجال کے دور میں زندہ ہیں۔ ملاحظہ کریں کہ انھوں نے کمال مہارت سے اس کمی کا اظہار کیا ہے:

کردار باقی رہ گئے
بے کار باقی رہ گئے

یہ نظم عصری شعور میں ایک نئے اسلوب کا ایسا فن پارہ ہے جسے رثائی شاعری کا خوبصورت نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اپنی زبان اور Treatment کے لحاظ سے یہ توجہ کھینچنے والی نظم ہے جو پڑھنے والے میں گداز بھی پیدا کرتی ہے۔ غرض ''کتبہ'' ایک کامیاب اور زندہ رہنے والی نظم ہے۔

(یکم جنوری ۲۰۱۰ء)

محمد سلمان قریشی

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

کریں تسلیم دُشمن بھی صداقت ہو تو ایسی ہو / دعا دے، کھا کے پتھر بھی، شرافت ہو تو ایسی ہو
کریں انگلی سے دو ٹکڑے جو مہتابِ درخشاں کو / ہوں کافر صاحبِ ایماں نبوت ہو تو ایسی ہو
وہ جس کا گھر شکستہ ہے، نہ چاندی ہے، نہ سونا ہے / گدا کی جھولیاں بھر دے سخاوت ہو تو ایسی ہو
اگر سجدے میں ڈالے اوجھڑی کوئی محمد پر / نہ دیں وہ بد دعا پھر بھی جو رحمت ہو تو ایسی ہو
صحابہؓ کی طرح لائیں جو ایماں اپنا اے لوگو! / ہو جائیں کامراں وہ سب ہدایت ہو تو ایسی ہو
اگر معراج کے بارے عدو صدیق سے پوچھیں / کریں تصدیق آقا کی صداقت ہو تو ایسی ہو
امامت کے مصلے پر نبی جن کو کھڑا کر دیں / علیؓ بیعت کریں اُن کی،خلافت ہو تو ایسی ہو
نبی کے ساتھ میں سوئے ہوئے صدّیقِ اکبرؓ ہیں / عمرؓ بھی ساتھ ہیں اُن کے،رفاقت ہو تو ایسی ہو
وہ جس کے عہد میں منعم، گدا سارے برابر تھے / دلائے حق برابر کا عدالت ہو تو ایسی ہو
نبی کے حکم پر عثمانؓ خدا کی راہ میں لوگو! / لٹائے مال و زر سارا سخاوت ہو تو ایسی ہو
پڑھاؤں گا جنازہ میں نہیں عثمانؓ کے دشمن کا / میرے آقا کی دشمن سے عداوت ہو تو ایسی ہو
مٹایا کفر و باطل کو وہ جس نے تیغ سے اپنی / اُڑائے سر جو مرحب کا شجاعت ہو تو ایسی ہو
حسنؓ پر متفق ہو گا گروہِ مسلمیں سارا / بقولِ سرورِ عالم بشارت ہو تو ایسی ہو
مقرر خود کریں آقا وحی کی جب کتابت کو / خوشا اے ہندؓ کے بیٹے! لیاقت ہو تو ایسی ہو
کرائی زیبِ تن خلعت خلافت کی خدا نے خود / ابوسفیانؓ کے بیٹے کی حکومت ہو تو ایسی ہو
ابوسفیانؓ کے بیٹے سے لڑنے میں ہزیمت ہے / یہ فرمایا تھا آقا نے جو طاقت ہو تو ایسی ہو
تیری سلمانؔ نعتوں میں دُرَرْ ہوں جب عقیدت کے / خدا خود حشر میں کہہ دے محبت ہو تو ایسی ہو

یوسف طاہر قریشی

نعت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

راستہ سچ کا دکھایا آپ نے — زمزمِ وحدت پلایا آپ نے
آپ نے موتی لٹائے علم کے — جاہلیت کو مٹایا آپ نے
کاٹ ڈالا جور کا ہر ایک ہاتھ — ظلم سے سب کو بچایا آپ نے
آپ آئے رحمتِ عالم بنے — گلشنِ رأفت کھلایا آپ نے
آپ نے افکار کی تطہیر کی — دل کو حکمت سے سجایا آپ نے
جو اَلَم کی دھوپ میں تھے جل رہے — اُن پہ ڈالا اپنا سایا آپ نے
نکہتِ گلہائے وحدت کو سدا — ایک اک دل میں بسایا آپ نے
بے خبر بندوں کو دی رب کی خبر — ایک مولا سے ملایا آپ نے
نوری و ناری بھی پیچھے رہ گئے — مرتبہ ایسا ہے پایا آپ نے
بن گیا ہر حرف حق کا ترجماں — وہ پیامِ حق سنایا آپ نے

دے گئے طاہرؔ بھلائی کا سبق
نیکیوں کا فن سکھایا آپ نے

ماہانہ مجلس ذکر واصلاحی بیان
27 اکتوبر 2014ء
جمعرات بعد نمازِ مغرب
دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان
ابن امیر شریعت
حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
(امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)
نوٹ: ہر انگریزی ماہ کی آخری جمعرات کو بعد نمازِ مغرب مجلسِ ذکر واصلاحی بیان ہوتا ہے
الداعی: سید محمد کفیل بخاری ناظم مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان 061-4511961

سرور بجنوری

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

عیاں ہے اس سے عظمت حضرتِ فاروقِ اعظمؓ کی
نبی کرتے تھی عزت حضرتِ فاروقِ اعظمؓ کی

رسول اللہ پر ایمان لانے کا تقاضا ہے
رہے دل میں محبت حضرتِ فاروقِ اعظمؓ کی

کئی بار ان کی باتیں بن گئیں آیاتِ قرآنی
مسلّم تھی فراست حضرتِ فاروقِ اعظمؓ کی

فلسطیں ، مصر و روم و شام ، ایران و یمن سب پر
رہی محکم حکومت حضرتِ فاروقِ اعظمؓ کی

اُجاگر کر رہی ہے اپنے جلووں سے زمانے کو
تعالی اللہ! سیرت حضرتِ فاروقِ اعظمؓ کی

سرورؔ اس کے لیے پھر عاقبت کا غم نہیں کوئی
کرے جو دل سے مدحت حضرتِ فاروقِ اعظمؓ کی

☆☆☆

خالد شفیق

مشعلِ راہِ وفا، فاروقِ اعظمؓ آپ ہیں

ہادیٔ حق کی دُعا، فاروقِ اعظمؓ آپ ہیں
فخرِ محبوبِ خدا، فاروقِ اعظمؓ آپ ہیں

آپ سے روشن ہوئے ہر سَمت الفت کے چراغ
مشعلِ راہِ وفا، فاروقِ اعظمؓ آپ ہیں

آپ ہیں، دینِ محمد ﷺ کی روپہلی چاندنی
سایۂ لطف و عطا، فاروقِ اعظمؓ آپ ہیں

آپ ہیں شمشیرِ دیں، تنویرِ دیں، توقیرِ دیں
دینِ حق کے رہنما، فاروقِ اعظمؓ آپ ہیں

آج بھی جو گونجتی ہیں مسجدوں میں رات دن
ان اذانوں کی بنا، فاروقِ اعظمؓ آپ ہیں

اپنے خالدؔ کو ہدایت کے اُجالے بخش دیں
سالکِ راہِ ہُدیٰ، فاروقِ اعظمؓ آپ ہیں

☆☆☆

یوسف طاہر قریشی

منقبت حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

زباں پہ ذرّے ذرّے کے حکایتیں حسینؓ کی
شجاعتیں حسینؓ کی، شہامتیں حسینؓ کی

حسینؓ ایک حسین عکسِ حسنِ روئے مصطفیٰ
ہے پھول پھول جانتا صباحتیں حسینؓ کی

محاسن و فضائلِ حسینؓ کا بیان کیا
خرد خجل ہے دیکھ کے فراستیں حسینؓ کی

منافقوں نے دوستی کے بھیس میں دغا کیا
گھٹا سکا نہ کوئی مگر فضیلتیں حسینؓ کی

وقارِ عظمتِ بشر کی جستجو کے واسطے
نثار کربلا میں ہوئیں خواہشیں حسینؓ کی

رہی ہیں یاد سنتیں رسول کی نفَس نفَس
نبی کے دیں کے ساتھ تھیں محبتیں حسینؓ کی

بڑے تپاک سے حسینؓ کو گلے لگا لیا
اَجل کو بھی لُبھا گئیں عبادتیں حسینؓ کی

اجل کے سامنے بھی وہ رہے ہیں ”قائم الصلوٰۃ“
ہیں رہنما ہمارے لیے سنتیں حسینؓ کی

ستم ستم تھا کربلا ، لہو لہو حسینؓ تھے
رقم ہوئی ہیں خون سے شہادتیں حسینؓ کی

وہ طاہر و طہور تھے ، غیُّور تھے جسُور تھے
شہادتوں کی پیشوا ہیں غیرتیں حسینؓ کی

پروفیسر خالد شبیر احمد
قسط:۴۱

ورق ورق زندگی

تحریکِ ختمِ نبوت ۱۹۷۴ء اور احرار کا روایتی کردار:

۲۹ رمئی ۱۹۷۴ء کا دن تھا۔ کالج میں چھٹی ہو چکی تھی۔ لیکن چھٹی کے بعد کالج ٹی کلب میں، ڈاکٹر ریاض مجید اور میں دونوں مختلف موضوعات پر گفتگو میں محو بیٹھے تھے کہ دفعتاً زرعی کالج کے چند طالب علم ٹی کلب میں آئے۔ چہرے سے سبھی پریشان نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے آتے ہی ہم سے پوچھا کہ کیا کالج میں چھٹی ہو گئی ہے؟ ہمیں تو طالب علموں کی ضرورت تھی۔ ہم نے انہیں بیٹھنے کو کہا اور ساتھ یہ بھی پوچھا کیا بات ہے آپ اتنے پریشان ہیں اور طالب علموں کی ضرورت، یہ سب کیا ہے؟ کہنے لگے:

''سر بہت بڑا سانحہ ہو گیا ہے۔ ربوہ کے ریلوے سٹیشن پر قادیانیوں نے نشتر میڈیکل کالج ملتان کے طالب علموں پر بُری طرح تشدد کر کے انہیں بے حال کر دیا ہے، کسی کی ٹانگ اور کسی کا ہاتھ توڑ دیا ہے۔ یہ سب طالب علم لائل پور (فیصل آباد) کے ریلوے سٹیشن پر طبی امداد کے لیے پڑے ہیں۔ طالب علموں کو لے کر ہمیں وہاں جانا ہے تا کہ اس سانحہ کے خلاف احتجاج کیا جا سکے۔''

ہم دونوں بھی اس خبر پر حیران ہوئے اور انہیں کہا کہ کالج ہوسٹل سے کچھ طالب علم آپ کو مل جائیں گے۔ وہ طالب علم تو یہ کہہ کر چلے گئے لیکن ہم دونوں اس خبر پر بہت پریشان ہوئے اور حالات کی مکمل آگاہی کے لیے فوراً ریلوے سٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے۔ سٹیشن پر ایک گاڑی کھڑی تھی اور پلیٹ فارم پر زخمی طالب علموں کو فسٹ ایڈ دی جا رہی تھی چارپائیوں پر زخمی طالب علم پڑے درد کی شدت سے کراہ رہے تھے اور پورا ریلوے سٹیشن لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ ڈی۔ سی اور مولانا تاج محمود بھی سٹیشن پر موجود تھے۔ لوگ غصے سے بے قابو ہو رہے تھے اور مولانا انہیں پُر امن رہنے کی تلقین کر رہے تھے۔ تفصیل معلوم کی تو پتہ چلا کہ نشتر میڈیکل کالج ملتان کے کچھ طالب علم جن میں اکثریت جماعت اسلامی کی طلباء تنظیم اسلامی جمعیت طلباء کی تھی، جو کسی تفریحی دورے پر پشاور گئے ہوئے تھے انہیں واپسی پر ربوہ ریلوے سٹیشن پر باقاعدہ اُتار کر قادیانیوں نے بُری طرح زدوکوب کیا ہے۔ الزام یہ ہے کہ جب وہ طالب علم چند دن پہلے پشاور کی طرف جا رہے تھے تو انہوں نے بقول قادیانیوں کے انہیں گالیاں دی تھیں اور مرزا غلام احمد کے خلاف نعرے بلند کئے تھے۔ اُن کا یہ تشدد اسی کا ردِ عمل تھا۔ یہ بھی پتہ چلا کہ جو طالب علم زیادہ زخمی ہوئے انہیں تو فوری طور پر کسی ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا اور یہ طالب علم جو پلیٹ فارم پر زخمی حالت میں پڑے ہیں انہیں یہاں پر طبی امداد دی جا رہی ہے۔ دیر تک ہم سٹیشن پر یہ سب کچھ دیکھتے رہے تو کچھ دیر کے بعد زخمی طالب علموں کو گاڑی میں سوار کرا کر گاڑی کو روانہ کر دیا گیا۔ ہم دونوں سٹیشن سے باہر آئے تو میں نے ڈاکٹر ریاض مجید سے کہا کہ ڈاکٹر صاحب یہ بہت بڑا سانحہ ہے جسے قوم برداشت نہیں کر سکے گی۔ اس کا ردِ عمل کل تک شدید طور پر سامنے آئے گا۔ لازماً قادیانیوں کے خلاف ایک اہم تحریک کا آغاز ہو جائے گا اور اگر ردِ عمل سامنے نہ آیا تو پھر خطرہ یہ ہے

کہ قادیانیوں کے خلاف ہم لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اور جو کچھ کیا جا چکا ہے اس پر پانی پھر جائے گا اور اگر ایسا ہوا تو یہ سانحہ جو آج ربوہ ریلوے سٹیشن پر ہوا ہے سے بھی بڑا سانحہ ہوگا۔ دعا کریں کہ کل اس کا ردِ عمل سامنے آئے۔ڈاکٹر صاحب نے بھی میری بات کی تائید کی اور کہا کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ مسلمان اس سانحے پر خاموش ہوجائیں۔ان شاءاللہ ردِعمل سامنے آئے گا اور ضرور آئے گا۔اس کے بعد ہم تو اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔لیکن میں ساری رات بے چین رہا۔جی چاہتا تھا کہ رات گزرے اور جلدی صبح ہو۔ دوسرے دن حسبِ معمول تیار ہوکر کالج آیا تو ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی، کہنے لگے لڑکے تو کالج سے نعرے لگاتے ہوئے باہر نکل گئے ہیں۔آؤ ذرا شہر کا چکر لگا کر حالات معلوم کریں۔چنانچہ ہم دونوں گورنمنٹ کالج سے نکل کر سب سے پہلے بھوانہ بازار آئے تو دکانیں بند تھیں۔لوگ ٹولیوں کی شکل میں قادیانیت کے خلاف نعرے لگا رہے تھے اور قادیانیوں کی دکانوں کے قفل توڑ کر ان کے سامان کو باہر نکال کر آگ لگائی جارہی تھی۔تقریباً یہی حال تمام بازاروں میں تمام قادیانیوں کی دکانوں کا تھا۔کافی دیر تک ہم شہر کے ان بازاروں میں گھومتے رہے۔ہر جگہ یہی ہو رہا تھا۔کہیں کہیں دو چار پولیس کے سپاہی بھی دیکھے گئے جو کہ بے بس ہوکر کھڑے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے لیکن انہیں ان حالات میں کسی قسم کی مداخلت کی شاید جرأت ہی نہ تھی۔

کافی دیر تک ہم مسلمانوں کے اس شدید ردِعمل کا مشاہدہ کرتے رہے کہ دفعتاً مجھے مولانا مفتی زین العابدین کی وہ تقریر جو صرف چند دن پہلے نمازِ جمعہ کے موقع پر انہوں نے کچہری بازار کی مسجد میں کی تھی' یاد آئی۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ اس موقع پر مجھے وہ تقریر یاد آگئی۔انہوں نے فرمایا تھا'' کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی کی کوئی مدد نہیں کرتا جب تک کہ تمام وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے کوئی قوم یا فرد میدانِ عمل میں نہیں آجاتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اصول ہے کہ اگر تم کوئی اہم کام کرنا چاہتے ہو تو اپنے تمام وسائل کو میدانِ عمل میں لاؤ۔اور پھر اللہ تعالیٰ سے مدد کی دُعا کرو تو تمہیں اس میں کامیابی ہوگی، انہوں اپنی اس تقریر میں ایک خوبصورت مثال بھی دی کہ مُرغی کے انڈے میں چوزے کی کیا بساط ہوتی ہے کہ وہ بھی اندر سے چونچ مارتا ہے تو پھر انڈا اللہ تعالیٰ توڑتا ہے تا کہ چوزہ انڈے سے باہر آئے۔اس مثال کے بعد آپ نے فرمایا کہ اگر ہم قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے میں ابھی تک کامیاب نہیں ہوئے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس میدان میں ہم سے کوئی کمی رہ گئی ہے۔مثلاً یہ کہ ہم نے قادیانیوں کے خلاف سوشل بائیکاٹ کو اپنی تحریک کا حصہ نہیں بنایا۔انہوں نے کہا کہ جب تک آپ قادیانیوں کے سوشل بائیکاٹ کو اپنی اس تحریک کا حصہ نہیں بنائیں گے کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔''

جب ہم دونوں یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے تو میرے دماغ میں مفتی زین العابدین کی یہ تقریر عود کر آئی۔ میں نے ڈاکٹر ریاض مجید صاحب سے کہا۔ڈاکٹر صاحب! ایک کام آپ پر آن پڑا ہے، جلدی جلدی کردیں کہ یہ کام اس تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے ضروری اور لازمی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ کیا کام ہے میں جواب میں کہا کہ مجھے Visiting Card کے سائز کے کچھ چھپے ہوئے کارڈ درکار ہیں جن پر سرخ رنگ میں یہ لکھا ہو کہ

''قادیانیوں کا سوشل بائیکاٹ کرو

تحریک طلبائے اسلام پاکستان''

یہ کارڈ اس وقت لائل پور (فیصل آباد) اور دوسرے شہروں میں تقسیم کرنے چاہئیں، تاکہ اس تحریک کا نصب العین قادیانیوں کا سوشل بائیکاٹ بن جائے۔ میں نے انہیں مولانا مفتی زین العابدین کی تقریر کا وہ اقتباس بھی سنایا، ڈاکٹر ریاض مجید صاحب نے کہا کہ یہ کون سا مشکل کام ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا ''راست گفتار پریس'' جو بھوانہ بازار کی ایک گلی میں تھا سے پہلے ہی رابطہ تھا وہ مجھے وہاں لے گئے اور ان سے کہا کہ ہمارا یہ کام کر دیں اور انہیں یہ بھی کہا کہ جلدی سے جلدی ایسے کارڈ ہمیں ملنے چاہئیں۔ پریس والوں نے ہمیں دو گھنٹے کا وقت دیا تعداد تقریباً دو ہزار کے قریب تھی۔ چنانچہ دو گھنٹوں کے بعد کارڈ ہمیں مل گئے ایک کپڑے میں مَیں نے انہیں باندھ لیا۔ اب ریاض مجید صاحب کہنے لگے کہ ان کو آپ کس طرح تقسیم کریں گے۔ میں نے کہا کہ یہ کارڈ میں مولانا عبیداللہ احرار جو ہماری جماعت کے مرکزی صدر ہیں اور کارخانہ بازار میں ان کا مکان ہے انہیں دے دوں گا۔ وہ اس کی تقسیم کا خود انتظام کریں گے۔

مولانا عبیداللہ احرار سے ملاقات:

میں ان کارڈوں کی گٹھڑی سر پر اٹھائے مولانا عبیداللہ احرار کے مکان پر پہنچا اور ان سے ملاقات کی۔ اس ملاقات سے چند روز پہلے بھی میں مولانا سے ملا تھا۔ وہ شوگر کے مریض تھے اور ان کے پاؤں پر ایک پھوڑا نکل آیا تھا جس سے وہ چلنے پھرنے سے معذور تھے لیکن اِس ملاقات میں انہوں نے مجھے کہا تھا کہ ''یار شبیر' ہن تاں میں گھوڑا ہوگیا ہاں، میرا پھوڑا ٹھیک ہوگیا اے'' (اب تو میں بالکل تندرست ہوگیا ہوں پھوڑا بالکل ٹھیک ہوگیا ہے اور چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا ہوں)۔ پچھلی ملاقات میں انہوں نے باتیں کرتے ہوئے مجھے یہ بھی کہا تھا کہ ''پروفیسر یار میں تو اب قادیانیوں کی سازشوں کے بارے میں بڑا پریشان رہتا ہوں۔ پھر پنجابی میں کہا ''ہن تاں میں اللہ کولوں دعا منگناواں کہ اللہ انہاں نوں تو آپ ای سانبھ'' (اب تو میں اللہ سے دعا مانگتا ہوں کہ اے اللہ اب تُو خود ہی ان کا کوئی انتظام کر، ہمارے بس میں اب یہ نہیں رہے)۔

چنانچہ اِس دن جب میں کارڈوں والی گٹھڑی سر پر لیے ان سے ملا تو انہیں پہلی ملاقات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ مولانا 'اللہ نے آپ کی دعا قبول کر لی ہے، شہر میں ربوہ والے واقعہ پر شدید ردِ عمل سامنے آیا ہے۔ اب آپ یہ کارڈ مجھ سے لیں اور جماعت کی وساطت سے عوام میں تقسیم کرائیں۔ انہوں نے کارڈ دیکھے تو بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ تو تم نے کمال کر دیا ہے یہ بہت اچھا پروگرام ہے میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ اب یہ تحریک قادیانیوں کے سوشل بائیکاٹ کے نصب العین کے ساتھ ہی چلنی چاہیے۔

کارڈ تقسیم ہوئے تو دو چار دنوں میں ہی میں نے دیکھا کہ لائل پور کی مشہور جگہوں پر کپڑے کے بڑے بڑے ''بینر'' آویزاں تھے جن پر یہی لکھا ہوا تھا کہ ''قادیانیوں کا سوشل بائیکاٹ کیا جائے'' دوسرا ''بینر'' یہ تھا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے''۔ چنانچہ ان مطالبات کا آغاز لائل پور سے ہوا اور تحریک کے دوران پورے ملک کے اندر پھیل گیا۔

آل پاکستان مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کا قیام (۹رجون ۱۹۷۴ء)

یہ تحریک تو اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہی چلا دی تھی اور کافی دن بس اللہ کے سہارے ہی چلتی رہی۔ ۹رجون کو آل پاکستان مجلس عمل کا قیام لاہور میں عمل میں آیا۔ لاہور میں سیاسی و دینی جماعتوں کا اجتماع ہوا جس میں مولانا سید محمد یوسف

بنوری کو اس تنظیم کا کنوینر مقرر کیا گیا جن جماعتوں کے نمائندوں کو اس تنظیم کا رکن بنایا گیا ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

جماعتِ اسلامی: پروفیسر عبدالغفور، چودھری غلام جیلانی۔ جمعیت علمائے اسلام: مولانا مفتی محمود، مولانا عبیداللہ انور۔ جمعیت علمائے پاکستان: مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا عبدالستار نیازی۔ تنظیم اہل سنت والجماعت: مولانا سید نورالحسن بخاری، مولانا عبدالستار تونسوی۔ اشاعت توحید وسنت: مولانا غلام اللہ خان، سید عنایت اللہ شاہ بخاری۔ تبلیغی جماعت: مولانا مفتی زین العابدین۔ مرکزی جماعت اہل سنت: مولانا غلام علی اوکاڑوی، مولانا حسین اللہ۔ جمعیت اہل حدیث: مولانا عبدالقادر روپڑی، مولانا محمد صدیق۔ ادارہ تحفظ حقوق شیعہ: سید مظفر علی شمسی۔ قادیانی محاسبہ کمیٹی: آغا شورش کاشمیری، مولانا احسان الٰہی ظہیر۔ نیشنل عوامی پارٹی: مسٹر ارباب سکندر خان خلیل، امیر زادہ خلیل۔ مجلس احرارِ اسلام: مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری، چودھری ثناء اللہ بھٹہ۔ مجلس تحفظِ ختم نبوّت: حضرت مولانا خواجہ خان محمد، مولانا تاج محمود، مولانا محمد شریف جالندھری، قومی اسمبلی کے آزاد رکن مولانا ظفر احمد انصاری، طلباء کی تنظیموں کے اراکین کو بھی شامل کیا گیا۔ جن میں خصوصی طور پر اسلامی جمعیت طلباء، جمعیت طلباء اسلام اور تحریک طلباء اسلام قابلِ ذکر ہیں۔ اس کے بعد مولانا عبدالستار نیازی نے پریس کانفرنس کرتے ہوئے اس کنونشن کے فیصلوں کا اعلان کیا۔ درج ذیل مطالبات حکومت کے سامنے پیش کیے گئے۔

۱۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

۲۔ قادیانیوں کو کلیدی اسامیوں سے علیحدہ کیا جائے۔

۳۔ ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے۔ ربوہ میں جو اراضی میں موجود ہے، اس کو بحق سرکار ضبط کر کے شہری آبادکاری کے تحت ربوہ میں دیگر پاکستانیوں کو آباد ہونے کی اجازت دی جائے۔

اس تنظیم کے وجود میں آنے کے بعد تحریک میں ایک نئی اُمنگ اور نیا جذبہ بیدار ہو گیا، ہڑتالیں، جلسے، جلوس، پریس کانفرنسیں، کراچی سے لے کر پشاور اور کوئٹہ تک یہ تحریک پھیل گئی۔

ذوالفقار علی بھٹو کے تحریک کے بارے میں تاثرات:

۱۵؍جون ۱۹۷۴ء کو وزیر اعظم نے ایک نشری تقریر میں کہا کہ: ''قادیانی مسئلہ ۱۰۰ سال پرانا مسئلہ ہے، کیا سر ظفر اللہ کو میں نے وزیر خارجہ بنایا تھا۔ آپ احمدیوں کا مسئلہ میری جھولی میں کیوں ڈالنا چاہتے ہیں۔ کیا یہ مسئلہ میں نے پیدا کیا ہے، کیا قادیان میں گاندھی کی تقریریں میں نے کروائی ہیں۔ اتنے پرانے مسئلہ کو میں دو چار دنوں میں کیسے حل کر سکتا ہوں۔''

۱۵؍جون کے اخبارات میں ہی یہ اعلان ہوا کہ ۱۶؍جون کو لائل پور میں مجلس عمل کا اجلاس ہوگا۔ کنونیئر مجلس عمل مولانا سید یوسف بنوری صدارت کریں گے۔ جس میں ملک سے اٹھارہ، سیاسی اور دینی جماعتوں کے نمائندے شرکت کریں گے۔ جن میں پاکستان مسلم لیگ، پاکستان جمہوری پارٹی، جماعتِ اسلامی، نیشنل عوامی پارٹی، جمعیت علمائے اسلام، جمعیت علماء پاکستان، جمعیت اہل حدیث، قادیانی محاسبہ کمیٹی، مجلس تحفظِ ختم نبوّت، مجلس احرارِ اسلام، مرکزی حزب الاحناف کے نمائندے شرکت کریں گے۔

مرکزی مجلس عمل کا اجلاس ۱۶؍جون ۱۹۷۴ء:

چنانچہ یہ اجلاس مولانا یوسف بنوری کی صدارت میں ماڈل ٹاؤن کے ایک بنگلے میں ہوا۔ جس میں مطالبہ کیا گیا کہ ۲۹؍مئی کے سانحہ کی عدالتی تحقیقات لاہور ہائی کورٹ کے کسی جج سے کرائی جائے۔ تاکہ اس واقعے کے پس منظر اور محرکات سے قوم آگاہ ہو۔ اجلاس میں مجلس احرار اسلام پاکستان کے جنرل سیکرٹری مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری نے مجلس عمل کے عہدے داروں کے انتخاب کی تجویز پیش کی، جسے اجلاس نے منظور کیا تاکہ تحریک کو مزید ذمہ داری کے ساتھ آگے بڑھایا جا سکے۔ چنانچہ متفقہ طور پر مولانا سید محمد یوسف بنوری کو صدر تسلیم کیا گیا اور لاہور کے صاحبزادہ محمود احمد رضوی مجلس عمل کے سیکرٹری اور مولانا محمد شریف جالندھری کو نائب سیکرٹری کے طور پر منتخب کیا گیا۔ اجلاس میں جن حضرات نے شرکت کی، اُن کے نام درج ذیل ہیں:

علامہ شاہ احمد نورانی، مولانا عبدالستار نیازی، میجر اعجاز احمد چودھری، صفدر علی رضوی، مولانا مفتی محمود، مولانا تاج محمود، مولانا عبیداللہ انور، مفتی زین العابدین، نوابزادہ نصر اللہ خان، مولانا عبیداللہ احرار، مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری، مولانا محمد مفتی تقی عثمانی، سید حسین الدین شاہ، صاحبزادہ قاری فضلِ رسول، مفتی سیاح الدین کاکا خیل، چودھری ثناء اللہ بھٹہ، احسان الٰہی ظہیر، مولانا ظفر احمد انصاری، آغا شورش کاشمیری، میاں فضل حق، مولانا محمد صدیق، سردار امیر عالم انصاری، حکیم عبدالرحیم اشرف، مولانا محمد شریف جالندھری، غلام دستگیر باری، صاحبزادہ اسرار الحق، سید مبارک علی گیلانی، مولانا عبدالقادر روپڑی، چودھری غلام جیلانی اور مولانا عبدالرحمٰن۔

اس تحریک کی نوعیت ۱۹۵۳ء کی تحریک سے مختلف تھی۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ اس تحریک میں کالج اور یونیورسٹی کے طلباء نے بڑی کثرت سے شرکت کی۔ تحریک پُرامن رہی، تحریک پر تشدد کر کے اسے دبانے کی کوشش نہیں کی گئی جس طرح ۱۹۵۳ء کی تحریک میں کی گئی تھی۔ یہ بات درست ہے کہ اس تحریک میں بھی گرفتاریاں ہوتی رہیں لیکن پُرامن طریقے سے ان گرفتاریوں کے باوجود باضابطہ طور پر تحریک آگے بڑھتی رہی۔ اس تحریک میں مرکزی مجلس کے عہدے داروں کو گرفتار نہیں کیا گیا البتہ بعض شہروں میں مقامی رہنماؤں کو گرفتار کیا گیا۔ مجلس احرارِ اسلام کے رہنما مولانا سید عطاء المحسن بخاری اور صاحبزادہ محمود شاہ کو گجرات سے، مولانا سید عطاء المہیمن بخاری کو بورے والہ ضلع وہاڑی سے گرفتار کیا گیا۔ جب کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک میں تمام مرکزی قیادت کو کراچی اجلاس کے بعد گرفتار کر لیا گیا تھا۔ پھر یہ تحریک پورے ملک کے اندر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ سندھ، پنجاب، سرحد اور بلوچستان کے شہروں کے علاوہ دیہات کے لوگوں نے بھی اس تحریک میں حصہ لیا۔ قادیانیوں کے سوشل بائیکاٹ نے اس تحریک کو ۱۹۵۳ء کی تحریک سے مختلف بنا دیا تھا۔ ہر دکان پر یہ تحریر لکھی گئی کہ قادیانی یہاں سے سودا نہیں لے سکتے، ریڑھی والے بھی اپنی ریڑھی کے ساتھ یہ لکھ دیتے تھے کہ قادیانی اس ریڑھی سے سودا نہیں خرید سکتے۔ حتیٰ کہ پورا ربوہ اس سوشل بائیکاٹ کی وجہ سے انتہائی متاثر ہوا۔ انھیں ضروریات زندگی حاصل کرنا مشکل ہو گیا، اس تحریک میں کئی قادیانیوں نے قادیانیت کو ترک کر کے اسلام قبول کر لیا لیکن اس کے ساتھ اس حقیقت کو بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اگر ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوّت نہ چلائی جاتی تو یہ تحریک بھی سامنے نہ آتی۔ یہ بات واضح ہے کہ تحریک کوئی بھی ناکام نہیں ہوتی بظاہر ناکام تحریک بھی آنے والے دنوں میں ایک دوسری تحریک کا باعث بنتی ہے اور اس طرح یہی تسلسل تحریک کے مقاصد تک تحریک

چلانے والوں کو پہنچا دیتا ہے۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا وہ قول جو انھوں نے ۱۹۵۳ء کی تحریک کے حوالے سے کہا تھا کہ ''سن لو میں ایک ایسا ٹائم بم رکھ کے جا رہا ہوں، جو اپنے وقت پر ضرور پھٹے گا'' یہ ٹائم بم ۱۹۷۴ء میں پھٹا اور پھر تحریک کے ذریعے وہ مقصد بھی حاصل ہوا جس کے لیے برسوں پہلے ۱۹۵۳ء کی تحریک چلائی گئی تھی اور دس ہزار مسلمانوں کو گولیاں مار کر شہید کر دیا گیا تھا۔ ۱۹۷۴ء میں انھی شہداء ختمِ نبوّت کا خونِ بے گناہی رنگ لایا اور تحریک کامیابی کے ساتھ فیصلہ کن نتیجے پر پہنچی۔

چنیوٹ میں تحریک کے حالات۔ ملک رب نواز کی قیادت:

فیصل آباد میں تحریک پورے جوش و خروش سے جاری تھی تو میں نے چنیوٹ جا کر تحریک کا جائزہ لیا۔ چنیوٹ جا کر معلوم ہوا کہ یہاں پر اُسی دن یعنی ۲۹ رمئی کو ہی ایک زبردست جلوس ملک رب نواز جو کہ اُس وقت مجلس احرارِ اسلام کی طلباء تنظیم تحریکِ طلباء اسلام کے مرکزی صدر تھے کی قیادت میں نکالا گیا۔ انھوں نے مجھے خود بتایا کہ میں اس خبر کے سننے کے بعد اکیلا ہی محلّہ گڑھا کے ایک قادیانی کی دکان میں گھس گیا اور اس کا سامان اٹھا کر باہر پھینکنا شروع کر دیا۔ اس پر کافی لوگ جب دکان کے باہر جمع ہو گئے تو میں نے پر جوش تقریر کی اور اس واقعے کی تفصیلات سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ لوگ جذباتی ہو گئے تو میں نے اُنھیں اجتماعی جلوس کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ مجھے اس واقعہ کی اطلاع بہت جلد مل گئی تھی اور مولانا عبدالوارث نے مجھے اس واقعہ کے بعد ایک میٹنگ بلانے کے لیے کہا تھا۔ میں نے جواباً کہلا بھیجا کہ میٹنگ میں وقت ضائع ہوگا۔ میں نے جلوس کی شکل میں پہلے دن ہی احتجاج شروع کر دیا تھا۔ اس طرح یہ اعزاز بھی مجلس احرار اسلام کو ہی ملا کہ تحریکِ ختمِ نبوّت ۱۹۷۴ء میں ۲۹ رمئی جس دن یہ جانکاہ حادثہ ہوا، اُسی دن پہلا جلوس مجلس احرار کی طالب علم تنظیم تحریک طلباء اسلام کے مرکزی صدر کی قیادت میں نکالا گیا۔ ملک رب نواز نے بھرپور تحریک میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ چنیوٹ میں یہ تحریک مولانا عبدالوارث، مولانا منظور احمد چنیوٹی اور ملک رب نواز جو مجلس احرار اسلام چنیوٹ کے صدر ملک اللہ دتہ کے بیٹے تھے کے دم قدم سے چلتی رہی۔ راہ میں کئی مشکل مراحل بھی آئے لیکن کہیں بھی ان کے قدم ڈگمگائے نہیں۔ وہ ہر مشکل میں انتہائی جذبے سے مشکلات کو چیلنج کرتے رہے اور نعرہ لگاتے، آگے بڑھتے رہے کہ:

کہو ناخدا سے کہ لنگر اٹھا دے　　میں طوفاں کی ضد دیکھنا چاہتا ہوں

معاملہ یہاں تک پہنچا کہ ملک رب نواز کے بارے میں کسی میٹنگ میں سردار صغیر (پنجاب کابینہ میں وزیر تھے) نے یہ کہہ دیا کہ مجھے اس لڑکے یعنی رب نواز کا سر چاہیے۔ یہ بات لوگوں تک پہنچی تو شہر میں اس کا شدید ردِّ عمل سامنے آیا۔ ابن امیر شریعت سید عطاء المؤمن بخاری اس خبر کے بعد اپنی تمام تحریکی سرگرمیوں کو چھوڑ کر چنیوٹ تشریف لائے اور انھوں نے شہر میں محلّہ درکھاناں کی مسجد میں ایک پر ہجوم اجتماع میں اس وزیر بے تدبیر سردار صغیر کو للکارا۔ اس للکار نے سردار صغیر کی نیندیں حرام کر دیں۔ آپ نے کہا: اس علاقے کے لوگ تو اپنے کھیت سے مولی نہیں توڑنے دیتے تم رب نواز کا سر مانگتے پھرتے ہو تم وزارت کے نشے میں بدمست ہو کر بہک گئے ہو۔ ہم فقیر لوگ ایسی وزارتوں کو اپنے پاؤں کی ٹھوکر پر رکھتے ہیں۔ ہم سے الجھنے والوں کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں۔ اگر ملک رب نواز کا بال بھی بیکا ہوا تو میں یہاں پر ایک ایسی آگ لگا دوں گا کہ تمھاری پوری پیپلز پارٹی اس آگ کو نہیں بجھا سکے گی۔ میں آج یہ اعلان کرتا ہوں اور یہ مجمع اس بات کا گواہ ٹھہرتا ہے کہ اگر ملک رب نواز کو کچھ ہوا تو ایف۔ آئی۔ آر پنجاب کے اس وزیر سردار صغیر کے خلاف کٹوائی جائے گی۔'' ان کی

اس پر جوش تقریر کے دوران سردار صغیر مردہ باد اور ملک رب نواز زندہ باد کے نعرے مسلسل لوگوں کے جوش وجذبے کی غمازی کرتے رہے۔

اُن دنوں جب سردار صغیر کے حوالے سے ملک رب نواز کے بارے میں یہ پریشان کن خبر آئی تو میں نے ایک ملاقات میں ملک اللہ دتہ مرحوم کے ساتھ اپنی پریشانی کا اظہار اُن کے سامنے بھی کیا تو وہ فرمانے لگے:

''پروفیسر اس میں کون سی پریشانی کی بات ہے، اگر اس تحریک میں میرا یہ بیٹا شہید بھی ہو گیا تو کیا ہو گا۔ جس شہادت کی خواہش لیے میں مجلس احرار اسلام کے ساتھ عمر بھر وابستہ رہا ہوں، مجھے نہیں ملی، وہ میرے بیٹے کو مل جائے گی تو میں کہوں گا یہ میرا اعزاز ہے کہ میں ایک شہید کا باپ ہوں۔ میں تو اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے دن رات دعا کرتا ہوں کہ میرا بیٹا یہ کام کرتا رہے اور اگر یہ گرفتار ہو گیا تو میں نے تو اپنی بیٹی کو تیار کر لیا ہے کہ وہ اپنے بھائی کی جگہ اس تحریک کی قیادت کرے گی۔''

ملک اللہ دتہ صاحب کے جذبۂ ایمانی نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ یہ جذبات حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور اکابر احرار کی صحبتوں کا فیض اور نتیجہ تھے اور یہ جذبہ صرف ملک اللہ دتہ تک ہی محدود نہیں۔ ہر وہ آدمی جس نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی قیادت میں تحریک تحفظ ختمِ نبوّت اور تحریک آزادی میں حصہ لیا وہ اسی انداز میں سوچتا رہا اور سوچتا ہے:

کیا یہ ممکن ہے کہ وہ شخص بھی ہو بزدل خالد　　　جس کو نسبت ہو بھلا حلقۂ احرار کے ساتھ

رشید احمد کی شہادت:

ابتدائی دنوں میں چنیوٹ میں جب ایک احتجاجی جلوس نکالا گیا تو قادیانی گروہ کی فائرنگ اور خشت باری کے بعد شہر کی پُر امن فضا سخت کشیدہ ہو گئی۔ جسے مشکل سے قائدین جلوس نے قابو پا کر ثابت کیا کہ وہ تحریک کو پر امن رکھنا چاہتے ہیں اور قادیانی اپنی شرانگیز سرگرمیوں سے پر امن تحریک کو تشدد میں بدل کر اسے ناکام بنانا چاہتے ہیں۔ اگلے روز پہلے دن کی قادیانی شرار پر احتجاج کرنے کے لیے حسب معمول جلوس نکالا تو جب یہ جلوس ریل بازار پہنچا ''شاہ میڈیکو'' کے مالک قادیانی کے مکان سے دوبارہ خشت باری کی گئی۔ جس پر جلوس کے شرکاء مشتعل ہو گئے اور انھوں نے قادیانیوں کی دکانوں کو نذر آتش کر دیا، کیونکہ اب قادیانیوں نے جلوس پر خشت باری کو اپنا معمول بنا لیا تھا۔ اس کے بعد جب یہ جلوس شہر کے ایک دندان ساز شریف قادیانی کے مکان کے قریب پہنچا تو مکان کی چھت سے جلوس پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی گئی۔ اس فائرنگ سے کئی نوجوان زخمی ہوئے، تین کی حالت نازک تھی۔ جن میں سے ایک رشید احمد نامی چنیوٹ کا نوجوان شہید ہو گیا۔ محلّہ گڑھا کے ایک چوک کو رشید شہید چوک کے نام سے موسوم کیا گیا۔ ایسے حالات میں بھی لوگوں کو پر امن رکھ کر اور چنیوٹ میں تحریک کو جاری رکھنا کتنا مشکل کام تھا۔ اس کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے اور اس کے لیے بنیادی طور پر ملک رب نواز اور مولانا عبدالوارث کو عمومی کریڈٹ جاتا ہے۔ شہر میں اس واقعے کے بعد دو دن مکمل ہڑتال رہی۔ انھی حالات میں تحریک چنیوٹ میں جاری رہی۔

''رکتا نہ تھا کسی سے یہ کارواں ہمارا''

(جاری ہے)

مولانا عبداللطیف مسعود رحمہ اللہ

مرزا قادیانی کے دعوے اور ان کا انجام ونتیجہ

مرزا قادیانی نے نہایت زور شور سے بہت سے دعوے کیے مثلاً وہ لکھتا ہے:

(۱) مجھ کو تمام دنیا کی اصلاح کے لیے ایک خدمت سپرد کی گئی ہے اس وجہ سے کہ ہمارا آقا اور مخدوم تمام دنیا کے لیے آیا تھا تو اس عظیم الشان خدمت کے لحاظ سے مجھے وہ قوتیں اور طاقتیں بھی دی گئی ہیں جو اس بوجھ کو اٹھانے کے لیے ضروری تھیں اور وہ معارف اور نشان بھی دیے جن کا دیا جانا اتمام حجت کے لیے مناسب وقت تھا۔

(حقیقۃ الوحی، ص:۱۵۱، خزائن، جلد:۲۲، ص:۱۵۵)

(۲) اللہ کو خوب معلوم تھا کہ آخر زمانہ میں عیسائی بہت بگڑ جائیں گے اور دوسرے نمبر پر مسلمان بھی باغی ہو کر نئی نئی بدعات میں متفرق ہو جائیں گے تو اللہ نے ان دونوں فتنوں کی اصلاح کے لیے ایک ایسے مُرسل کو بھیجا جو ایک لحاظ سے عیسیٰ کا ہم نام تھا تا کہ عیسائیوں کی اصلاح کرے اور دوسرے لحاظ سے احمد کا ہم نام ہوا تا کہ مسلمانوں کی اصلاح کرے۔

(سر الخلافہ، ص:۵۱، خزائن، ص:۳۷۸،۳۷۹ جلد:۸)

(۳) اللہ نے مجھے ہر نبی کا نام دیا اور فرمایا جری اللہ فی حلل الانبیاء یعنی خدا کا رسول نبیوں کے پیرایوں میں سو ضرور ہے کہ ہر نبی کی شان مجھ میں پائی جائے...... مجھے اور بھی نام دیے گئے اور ہر ایک نبی کا مجھے نام دیا گیا چنانچہ جو ملکِ ہند میں کرشن نام ایک نبی گزرا ہے جس کو رودر گوپال (فنا کرنے والا اور پالنے والا) بھی کہتے ہیں اس کا نام بھی مجھے دیا گیا جیسا کہ آریہ قوم کے لوگ ان دنوں ایک کرشن کے ظہور کے منتظر میں وہ کرشن میں ہی ہوں۔ (خزائن، ص:۵۲۱، جلد:۲۲)

مرزا صاحب آریوں کے بادشاہ بھی ہیں۔ (حقیقۃ الوحی) اور امین الملک جے سنگھ بہادر بھی (تذکرہ، ص:۶۷۲)

(۴) اے لوگو یقین سمجھ لو کہ میرے ساتھ وہ ہاتھ ہے جو آخیر وقت تک مجھ سے وفا کرے گا۔ اگر تمھارے مرد و عورت، چھوٹے بڑے سب مل کر میری ہلاکت کی دعا کریں یہاں تک کہ سجدے کرتے کرتے اُن کی ناک گل جائے، ہاتھ شل ہو جائیں تب بھی خدا ان کی دعا نہیں سنے گا اور نہیں رکے گا جب تک وہ اپنے کام کو پورا نہ کر لے۔ اگر انسانوں میں سے ایک بھی میرے ساتھ نہ ہو تو خدا کے فرشتے میرے ساتھ ہوں گے۔ اگر تم گواہی چھپاؤ تو قریب ہے کہ پتھر بول پڑیں پس اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو، کاذبوں کے منہ اور ہوتے ہیں اور صادقوں کے اور۔ خدا کسی امر کو بغیر فیصلہ نہیں چھوڑتا۔ میں اس زندگی پر لعنت بھیجتا ہوں جو جھوٹ اور افتراء کے ساتھ ہو۔ وہ خدمت جو عین وقت پر خداوند قدیر نے میرے سپرد کی ہے اور اسی کے لیے مجھے پیدا کیا ہے ہرگز ممکن نہیں کہ میں اس میں سستی کروں۔ اگر چہ آفتاب ایک طرف سے اور زمین ایک طرف سے باہم مل کر مجھے کچلنا چاہیں۔ انسان کیا ہے ایک کیڑا؟ اور بشر کیا ہے ایک مضغہ، پس کیونکر میں اس حیّ و قیوم کے حکم کو ایک کیڑے یا ایک مضغہ کے

لیے ٹال دوں۔ جیسے خدا نے پہلے مامورین اور مکذبین میں آخر ایک دن فیصلہ کر دیا۔ اسی طرح وہ اس وقت بھی فیصلہ کرے گا۔ خدا کے مامورین کے آنے کے لیے بھی ایک موسم ہوتا ہے اور پھر جانے کے لیے بھی ایک موسم۔ پس یقیناً سمجھو کہ میں نہ بے موسم آیا اور نہ بے موسم جاؤں گا۔ خدا سے مت لڑو یہ تمھارا کام نہیں کہ مجھے تباہ کر دو۔ (خزائن، ص: ۴۰۰۔۴۰۱، جلد: ۱۷)

(۵)　اگر میں نے اسلام کی حمایت میں وہ کام کر دکھایا جو مسیح موعود اور مہدی موعود کو کرنا چاہیے تھا تو پھر میں سچا ہوں اور اگر کچھ نہ ہوا اور میں مر گیا تو پھر وہ گواہ رہیں کہ ''میں جھوٹا ہوں۔'' پس اگر کروڑ ھا نشان بھی ظاہر ہوں اور یہ علّت غائی ظہور میں نہ آوے تو ''میں جھوٹا ہوں۔'' (مرزا قادیانی کا خط بنام قاضی نذر حسین مندرج اخبار بدر بابت ۱۹؍ جولائی ۱۹۰۴ء)

سنیے انجام و نتیجہ!

اب نتیجہ کے متعلق آنجناب خود ہی لکھتے ہیں کہ

(۶)　مجھے افسوس ہے کہ میں اس کی راہ میں وہ اطاعت اور تقویٰ کا حق بجا نہیں لا سکا جو میری مراد تھی اور اس کے دین کی وہ خدمت نہیں کر سکا جو میری تمنا تھی۔ میں اس درد کو ساتھ لے جاؤں گا کہ جو کچھ مجھے کرنا چاہیے تھا وہ کر نہیں سکا...... جب مجھے اس نقصانِ حالت کی طرف خیال آتا ہے تو مجھے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ میں کیڑا ہوں نہ آدمی اور مردہ ہوں نہ زندہ۔ (خزائن، ص: ۴۹۳، جلد: ۲۲)

مرزا قادیانی کا شعر خود اپنے بارے میں ہے:

کرمِ خاکی ہوں میرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار
(خزائن: صفحہ ۱۲۷، جلد ۲۱)

مرزائی حضرات! کچھ غور و فکر کریں کہ اُن کے پیشوا مرزا قادیانی کس وضاحت سے اپنی نا اہلی کا اعلان کر رہے ہیں۔ لہٰذا آپ حضرات مرزا قادیانی کو چھوڑ کر اُمّتِ مسلمہ میں شامل ہو جائیں۔ اب بھی وقت ہے ورنہ پھر پچھتانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

الغازی مشینری سٹور
ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپئیر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں
بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

منصور اصغر راجہ　　　　(پہلی قسط)

سابق قادیانی مربی محمد نذیر کی کہانی......ان کی اپنی زبانی

محمد نذیر سابق قادیانی مربی ہیں۔ وہ جھنگ کے ایک معروف قادیانی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے خاندان کی قادیانی سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام سے قریبی رشتہ داری ہے۔ انہوں نے جامعہ احمدیہ چناب نگر میں پانچ سالہ خصوصی کورس کرنے کے بعد بطور مربی دس سال تک پنجاب اور سندھ میں قادیانیت کا پرچار کیا۔ 2005ء میں انہوں نے جماعت احمدیہ سے جب کنارہ کشی اختیار کی تو انہیں ''راہ راست'' پر لانے کے لیے مختلف حربے استعمال کیے گئے۔ لیکن ان پر ڈھائے جانے والے مظالم انہیں اپنے مؤقف پر مزید پختہ کرتے رہے اور نور ایمان ان کے دل میں گھر کرتا چلا گیا۔ انہوں نے 26 فروری 2014ء کو ایوان اقبال لاہور میں منعقدہ ''فتح مباہلہ کانفرنس'' کے موقعہ پر اردن کے ایک اسلامی سکالر کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ محمد نذیر کا ظلمت سے نور تک کا یہ سفر ایمان افروز بھی ہے اور دل گداز بھی۔ ان کی داستان حیات نذر قارئین ہے۔

''میرا نام محمد نذیر ہے۔ میں 1973ء میں جھنگ کے ایک قادیانی گھرانے میں پیدا ہوا۔ میرے والد غلام حسین جماعت احمدیہ جھنگ کے سرکردہ ارکان میں سے تھے۔ انہوں نے پچاس کی دہائی کے اوائل میں قادیانی مذہب اختیار کیا۔ وہ 22 سال تک جماعت احمدیہ جھنگ کے صدر رہے۔ والدہ 6 سال تک قادیانی خواتین کی تنظیم ''لجنہ اماء اللہ'' کی ضلعی صدر رہیں۔ بڑے بھائی محمد رفیع 6 سال تک انجمن خدام الاحمدیہ جھنگ کے صدر رہے۔ مشہور قادیانی سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام ہمارے قریبی عزیز تھے۔ میری شادی بھی انہی کی فیملی میں ہوئی۔ میری سابقہ قادیانی بیوی ان کی بھانجی ہے۔ میرے والد نے میری پیدائش کے وقت ہی مجھے احمدیت کی خدمت کے لیے وقف کرنے کا اعلان کر دیا لہٰذا مجھے اب مربی (مبلغ) ہی بننا تھا۔ جب ہوش سنبھالا تو گورنمنٹ پرائمری سکول برانچ نمبر 2 جھنگ میں داخل کرا دیا گیا۔ وہاں دو قادیانی اساتذہ، ماسٹر دوست محمد اور ماسٹر ولی محمد تعینات تھے۔ وہ سکول میں داخل ہونے والے قادیانی بچوں پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے مجھے پڑھانے کے ساتھ ساتھ میری ''مذہبی'' تربیت بھی شروع کر دی۔ ایک روز ایسا ہوا کہ سکول کے اوقات میں جب ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو اپنے کچھ ہم جماعت مسلمان دوستوں کی دیکھا دیکھی میں بھی نماز پڑھنے مسجد چلا گیا۔ واپسی پر ان دونوں ٹیچرز نے مجھے زمین پر لٹا کر ڈنڈوں سے خوب پٹائی کی۔ مجھے اس پر سخت حیرت ہوئی کہ یہ لوگ نماز پڑھنے پر مجھے کیوں مار رہے ہیں۔ بعد میں ان دونوں نے مجھے تنہائی میں لیجا کر سمجھایا کہ ''جن لڑکوں کے ساتھ تم نماز پڑھنے گئے تھے، وہ کافر ہیں اور ہم مسلمان ہیں۔ آئندہ ان کی مسجد میں بالکل نہیں جانا''۔ یہ میری تربیت کا پہلا ''سبق'' تھا۔ انہوں نے مجھے دوسرا سبق یہ دیا کہ مسلمان علماء کے قریب بھی نہیں پھٹکنا۔ وہ علماء کو جادوگر کہتے اور ان سے میل جول

اور بات چیت سے سختی سے منع کرتے تھے۔ 1992ء میں اسلامیہ ہائی سکول جھنگ سے میٹرک کرنے کے بعد اپریل 1992ء میں مربی کے خصوصی کورس کے لیے میں جامعہ احمدیہ چناب نگر میں داخل ہوا۔ جامعہ احمدیہ میں احمدیت کے ''مذہبی سکالر'' تیار کرنے کے لیے دو کورس کرائے جاتے ہیں جن میں پانچ سالہ کورس ''مبشر'' اور سات سالہ کورس ''شاہد'' کہلاتا ہے۔ ان میں فرق یہ ہے کہ ''شاہد'' کورس کرنے والا اپنے فن کا سپیشلسٹ ہوتا ہے۔ یہ کورس کرنے والوں کو تخصص کرایا جاتا ہے۔ میرا داخلہ ''مبشر'' کورس کے لیے ہوا تھا۔ کورس کرنے والے طلبہ کے قیام و طعام کا انتظام جامعہ کے اندر ہی تھا۔ اُس دور میں جامعہ کے ہر طالب علم کو 1700 روپے ماہانہ وظیفہ ملتا تھا۔ ہر طالب علم کے تمام اخراجات جماعت برداشت کرتی تھی۔ میری معلومات کے مطابق جامعہ احمدیہ میں مربی کا کورس کرنے والے ایک طالب علم پر 20 ہزار روپے ماہانہ خرچ ہوتے ہیں۔ اگر پانچ سال کا حساب کیا جائے تو ایک مربی تیار کرنے پر جماعت احمدیہ بارہ لاکھ روپے خرچ کرتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر طالب علم سے اس کو ملنے والے وظیفے میں سے 16 فیصد بطور چندہ، جماعت ضرور وصول کرتی تھی۔ ہماری کلاس کا آغاز صبح چھ بجے ہوتا اور دوپہر ایک بجے چھٹی ہوتی تھی۔ پہلے سال نورانی قاعدہ یسرنا القرآن سے ہماری پڑھائی کا آغاز ہوا اور ساتھ ساتھ ''سیرت مسیح موعود'' بھی پڑھائی جانے لگی۔ اس کے علاوہ دیگر عصری علوم بھی سبق میں شامل تھے۔ اگلے سال وفات مسیح کے متعلق قرآن مجید کی قریباً 30 آیات کا ترجمہ اور قادیانی جماعت کی تفسیر کے علاوہ ''تذکرہ'' کو بھی سبق میں شامل کر دیا گیا۔ ''تذکرہ'' مرزا غلام احمد قادیانی کے الہامات اور ''وحی'' (نعوذ باللہ) پر مشتمل کتاب ہے جو قادیانیوں کے نزدیک قرآن مجید کے برابر بلکہ اس سے بھی افضل کتاب خیال کی جاتی ہے۔ ''تذکرہ'' پڑھاتے ہوئے ہمارے استاد ہمیں بتایا کرتے کہ اگر قرآن مجید کے ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں تو ''تذکرہ'' کے ایک حرف پر سو نیکیاں ملتی ہیں۔ تیسرے سال جماعت احمدیہ کی مخصوص کتب پڑھانے کے علاوہ ہمیں نمازوں کے اوقات میں چناب نگر کی قادیانی عبادتگاہوں میں نماز کی امامت کے لیے بھی بھیجا جانے لگا۔ جماعت نے اپنی مرضی کی کچھ احادیث کو توڑ مروڑ کر ''صدیقۃ الصالحین'' کے نام سے ایک مجموعہ احادیث بھی تیار کر رکھا ہے۔ یہ کتاب اکثر قادیانیوں کے گھروں میں موجود ہوتی ہے۔ ہمارے نصاب میں بھی یہ کتاب شامل تھی۔ ابھی ہمیں جامعہ احمدیہ میں داخل ہوئے دو ماہ ہی ہوئے تھے کہ وہاں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ اسلام آباد کا رہائشی سعید نامی لڑکا میرا ہم جماعت تھا۔ سعید اور نفیس دونوں کزن تھے اور وہاں مربی کا کورس کرنے آئے تھے۔ سعید بے حد خوبصورت، گورا چٹا اور بھولا بھالا سا تھا۔ ایک روز کلاس ختم ہونے کے بعد جب ہم ہاسٹل واپس آئے تو سعید نے اپنا بستر اور دیگر سامان باندھنا شروع کر دیا۔ ہم نے وجہ پوچھی تو اس کی آنکھیں بھر آئیں لیکن وہ کچھ بتانے کو تیار نہ ہوا۔ بس خاموشی سے اپنا سامان سمیٹتا رہا۔ جب ہم نے اصرار کیا تو اس نے بتایا کہ جامعہ احمدیہ کے پرنسپل نے اس کے ساتھ بدفعلی کی ہے لہٰذا اب وہ یہاں ایک پل بھی رکنے کو تیار نہیں۔ سعید کی اس بات پر ہمیں شدید غصہ آیا کیونکہ ہمارے پرنسپل تو ''مرزا صاحب'' (غلام احمد قادیانی) کی فیملی کے قریبی عزیزوں میں سے

تھے۔ ہمیں تو وہ چلتے پھرتے فرشتہ دکھائی دیتے تھے۔ ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ پرنسپل ایسے گھٹیا حرکت کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کئی روز تک سعید کو گالیاں دیتے رہے۔ سعید کے والد غالباً فوجی افسر تھے۔ جب یہ معاملہ جماعت کے مرکزی ذمہ داروں تک پہنچا تو انہوں نے سعید کے والد کو بلوالیا۔ سعید کے والد نے اسے جامعہ میں ہی رکنے پر زور دیا لیکن اس نے اپنے والد سے کہا کہ وہ اسے گولی ماردیں یا گھر سے نکال دیں، لیکن وہ اب جامعہ میں پڑھے گا نہ یہاں رہے گا۔ بالآخر وہ واپس اپنے گھر چلا گیا جبکہ اس کے کزن نفیس نے کورس مکمل کیا اور وہ اب بھی مربی کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ مربی کی تعلیم وتربیت کے دوران چند باتوں پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ ہر مربی کے لیے انگریزی زبان پر مکمل عبور حاصل کرنا ضروری ہے، کیونکہ اسے کسی بھی وقت کسی بھی ملک میں قادیانیت کے پرچار کے لیے بھیجا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے ہمیں آکسفورڈ کی کتابیں پڑھائی جاتیں جس کے لیے ماہر اساتذہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ دورانِ تعلیم کھیلوں میں حصہ لینا لازمی تھا۔ ہر مربی کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی نہ کسی کھیل کا بہترین کھلاڑی بھی ہو۔ جامعہ احمدیہ میں کرکٹ، ہاکی، فٹ بال، والی بال، بیڈمنٹن اور کبڈی کھیلنے کا مکمل انتظام موجود تھا اور ہر طالب علم کو کسی نہ کسی کھیل میں ضرور حصہ لینا پڑتا۔ طالب علم کے لیے دورانِ تعلیم ڈرائیونگ سیکھنا بھی ضروری ہے۔ اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس پانچ سالہ کورس کے دوران ہر طالب علم کو ہومیوپیتھی لازمی پڑھائی جاتی ہے۔ اس کے لیے بھی ماہر اساتذہ کا انتظام جامعہ احمدیہ میں موجود ہے۔ ہر طالب علم کو مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ ایک قابل ہومیو پیتھک ڈاکٹر بھی بنایا جاتا ہے کیونکہ عملی میدان میں قادیانیت کے پرچار کے لیے لوگوں سے راہ ورسم بڑھانے کا یہ بہترین ذریعہ ہے۔

''1996ء میں جامعہ احمدیہ سے فراغت کے بعد میری پہلی تعیناتی ضلع حافظ آباد کے موضع پیرکوٹ ثانی میں ہوئی۔ اس گاؤں میں قادیانی اکثریت میں ہیں اور ہر لحاظ سے طاقتور بھی ہیں۔ قادیانیوں کے نزدیک اس گاؤں کو بڑی مقدس حیثیت حاصل ہے کیونکہ یہاں مرزا غلام احمد قادیانی کے تین مصاحبین کی قبریں بھی ہیں۔ اس گاؤں میں میری تعیناتی ایک طرح کی ہاؤس جاب تھی۔ یہاں سے ٹریننگ لینے کے بعد مجھے ضلع منڈی بہاءالدین کے دیہات ''رجوعہ'' اور ''مرالہ مکھناں والی'' بھیج دیا گیا۔ چند ماہ وہاں گزارنے کے بعد میری پوسٹنگ ضلع گجرات کے علاقوں ''ڈنگہ'' اور ''کنجاہ'' میں ہوگئی۔ میں ایک سال تک ان چار سٹیشنز پر کام کرتا رہا اور اس عرصے میں یہاں کے 16 مسلمانوں کو میں نے قادیانی بنایا۔ پہلے سال ہی اس حیران کن کارکردگی کی وجہ سے میں جماعتی قیادت کی نظروں میں بھی آگیا اور اس کے ساتھ ہی مجھے ملنے والی مراعات اور پروٹوکول میں اضافہ ہونے لگا۔ یہ جماعت کا اصول ہے کہ جو مربی جتنے زیادہ مسلمانوں کو قادیانی بنائے، اسے اتنی ہی زیادہ ترقی دی جاتی ہے۔ ویسے عام طور پر بھی مربی کو ماہانہ تنخواہ کے علاوہ بھی کافی مراعات حاصل ہوتی ہیں۔ میں جب 1996ء میں فیلڈ میں آیا، اُس وقت ایک مربی کی ماہانہ تنخواہ دس ہزار روپے تھی۔ میڈیکل اور بچوں کی تعلیم فری تھی۔ اگر ملک میں علاج ممکن نہ ہوتا تو جماعت اپنے خرچے پر بیرون ملک علاج کے لیے بھجواتی۔ جس علاقے میں تعیناتی ہوتی، وہاں

ایک وی آئی پی گھر ملتا۔ موسم کی مناسبت سے ہر سال نیا بستر دیا جاتا۔ کھانا الاؤنس الگ تھا۔ چناب نگر آنے جانے کا ٹی اے ڈی اے دیا جاتا۔ گرمیوں اور سردیوں میں قیمتی کپڑوں کے تین تین جوڑے بنوا کر دیئے جاتے۔ ابتداء میں سائیکل دی جاتی، جس کی دیکھ بھال کے لیے ماہانہ 200 روپے الگ ملتے تھے۔ بہترین کارکردگی دکھانے پر اگلے مرحلے میں نئی لینڈ کروزر دی جاتی۔ البتہ مربی کے لیے موٹر سائیکل چلانے پر سخت پابندی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شروع شروع میں مربی کو سائیکل کے بعد موٹر سائیکل ہی دی جاتی تھی لیکن پھر مختلف علاقوں میں چند مربی موٹر سائیکل چلاتے ہوئے ایکسیڈنٹ ہونے سے مارے گئے۔ ان حادثات کے بعد جماعت کے مرکزی ذمہ داران سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور پھر یہ فیصلہ کیا گیا کہ چونکہ جماعت کے پاس پہلے ہی مربی قلیل تعداد میں ہیں لہٰذا ان حادثاتی اموات سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ آئندہ کوئی مربی موٹر سائیکل نہیں چلائے گا۔ اس کے ساتھ ہی مربیوں کو موٹر سائیکل کی فراہمی بند کر دی گئی''۔

''مربی کا براہ راست ناظر امور عامہ سے رابطہ ہوتا ہے۔ جماعت احمدیہ کے دو طاقتور ترین ذیلی انتظامی ادارے ناظر امور عامہ اور دفتر عمومی ہیں۔ دفتر عمومی صرف چناب نگر میں قادیانیوں کے معاملات کو ڈیل کرتا ہے اور ناظر امور عامہ پورے ملک کے قادیانیوں کو کنٹرول کرتا ہے۔ مسلمانوں کو قادیانیت کی طرف مائل کرنے کے لیے ہر مربی دو بنیادی ہتھیاروں خوش اخلاقی اور چرب زبانی سے تو لیس ہوتا ہی ہے۔ اس کے علاوہ بھی دوران تعلیم مسلمانوں کو پھانسنے کی خصوصی تربیت دی جاتی ہے۔ مربی کا پہلا ٹارگٹ انتہائی غریب مسلمان ہوتے ہیں۔ وہ ان کی کمزور مالی حالت اور معاشی مجبوریوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے قریب ہوتا ہے۔ مربی کی سفارش پر جماعت ''ٹارگٹ'' کی مالی معاونت کے لیے فنڈ جاری کرتی ہے۔ اس کے لیے کوئی لگی بندھی رقم نہیں ہوتی بلکہ لامحدود فنڈ ہوتا ہے۔ ''ٹارگٹ'' کی مالی حالت کے پیش نظر مربی جتنی رقم چاہے، جاری کرا سکتا ہے۔ مربی کی سفارش کو جماعت شاذ و نادر ہی رد کرتی ہے۔ مالی معاونت کے ساتھ ساتھ وہ اپنے ''ٹارگٹ'' کی برین واشنگ بھی شروع کر دیتا ہے جس کا نتیجہ اکثر کامیابی کی صورت میں نکلتا ہے۔ ایک مربی کے لیے لازم ہوتا ہے کہ وہ ایک وقت میں کم از کم دس مسلمانوں کو قادیانیت کا پرچار کرے۔ مربی کا دوسرا بڑا ٹارگٹ وہ کھاتے پیتے امیر مسلمان ہوتے ہیں جو دین سے دور ہوں۔ ان میں سے بھی خاص طور پر وہ لوگ مربی کے لیے انتہائی آسان ہدف ثابت ہوتے ہیں جو علمائے کرام سے الرجک رہتے ہوں اور ان سے میل ملاقات اور ان کی مجالس میں بیٹھنا پسند نہ کرتے ہوں۔ ایسے لوگوں سے راہ و رسم بڑھانے کے بعد مربی انہیں اپنی عبادتگاہ ''بیت الذکر'' آنے کی دعوت دیتا ہے۔ یہ والا ''ٹارگٹ'' جب قادیانی عبادتگاہ میں داخل ہوتا ہے تو مربی اس پر پہلا حملہ یہ کرتا ہے کہ اسے نماز پڑھ کر دکھاتا ہے اور نماز کے بعد دعا نہیں مانگتا۔ اس کے ساتھ ہی یہ سوال اٹھا دیتا ہے کہ ہم نماز کے بعد دعا اس لیے نہیں مانگتے کہ نماز بذات خود دعا ہے۔ بعد میں دعا مانگنے کا کوئی جواز نہیں۔ اپنے دعوے کے حق میں مربی چند آیات بھی پیش کرتا ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ بڑے غیر محسوس انداز میں اپنے ''ٹارگٹ'' کو یہ باور کراتا ہے کہ جو لوگ (یعنی مسلمان) نماز کے بعد دعا مانگتے ہیں وہ غلط ہیں اور ہم صحیح ہیں۔

''ٹارگٹ'' پر اگلا حملہ کرنے کے لیے مربی کسی قادیانی بچے کو بلا کر اس سے پہلا کلمہ سنواتا ہے۔ جب ''ٹارگٹ'' یہ دیکھتا ہے کہ ایک قادیانی بچہ بھی وہی کلمہ پڑھ رہا ہے جو ایک مسلمان بچہ پڑھتا ہے تو وہ تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے اور مولوی کو کوستے ہوئے اسے مسلمانوں کو فرقوں میں تقسیم کرنے کا الزام دینے لگتا ہے۔ اب مربی کا کام آسان ہو جاتا ہے کیونکہ زمین ہموار ہو جاتی ہے۔ پھر وہ پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کو ''ٹارگٹ'' کے سامنے ایک ولی، بزرگ اور مجدد کے روپ میں پیش کرتا ہے۔ پھر ظلی بزوری نبی کے طور پر متعارف کراتا ہے اور آخر میں اپنے ''ٹارگٹ'' کو اس بات پر لے آتا ہے کہ آخری نبی تو بس ''مرزا صاحب'' ہی ہیں (نعوذ باللہ)۔ یہ مربی کا مخصوص طریقہ واردات ہوتا ہے۔''

''میں نے پنجاب میں ڈیوٹی کے دوران حافظ آباد، گوجرانوالہ، سیالکوٹ، گجرات، منڈی بہاء الدین، فیصل آباد اور بہاولنگر میں کام کیا۔ بہاولنگر کی تحصیل فورٹ عباس کے چک نمبر 223 نائن آر میں تعیناتی کے دوران مجھے صحیح اندازہ ہوا کہ جامعہ احمدیہ میں دوران تعلیم کھیلوں میں حصہ لینا کیوں لازمی ہے اور اس کی کیا افادیت ہے۔ میں دور طالب علمی میں بطور بلے باز کرکٹ کا ایک اچھا کھلاڑی رہا ہوں۔ بعد میں بھی پریکٹس جاری رکھی۔ اس گاؤں میں بھی قادیانی بہت طاقتور اور اکثریت میں تھے۔ میں بھی شام کے وقت مقامی لڑکوں کے ساتھ کرکٹ کھیلتا۔ اسی دوران ایک میچ میں ایک مسلمان بالر لڑکے کو میں نے چار گیندوں پر لگاتار چار چھکے مارے۔ اس شاندار بیٹنگ نے مقامی مسلمان لڑکوں کو میرا گرویدہ بنا دیا۔ اب وہ میرے ساتھ کھل کر اٹھنے بیٹھنے لگے۔ جب تعلق بڑھا تو وہ مجھے اپنی ٹیم کی طرف سے دوسری ٹیموں کے ساتھ کھیلنے کی دعوت دینے لگے۔ وہ جب بھی کھیلنے کی دعوت دیتے تو میں جواباً ان کے سامنے کبھی بیت الذکر آنے، کبھی میرے ساتھ مل کر نماز پڑھنے اور کبھی میرا خطبہ سننے کی شرط رکھ دیتا۔ بس اس کھیل ہی کھیل میں، میں نے گیارہ ماہ میں اس گاؤں کے 12 مسلمان لڑکے قادیانی بنا دیئے۔''

''جماعت کی طرف سے مربی کو مسلمان علماء کے ساتھ بحث مباحثے اور مناظرے سے سختی سے منع کیا جاتا ہے۔ لیکن جہاں قادیانی اکثریت میں ہوں، وہاں وہ مسلمانوں کا ناطقہ بند کرنے کا کوئی موقعہ ضائع نہیں جانے دیتے۔ میں وزیر آباد کے قریب قادیانیوں کے اکثریتی گاؤں ''کھیوے والی'' میں تعینات تھا۔ وہاں میں نے ایک مسلمان کو قادیانیت کی دعوت دی تو اس نے مجھے مناظرے کا چیلنج کر دیا۔ میں نے بھی جوش میں آکر چیلنج قبول کر لیا۔ ان لوگوں نے اگلے روز سرگودھا کے مشہور عالم مولانا اکرم طوفانی کو بلا لیا۔ جماعت کو خبر ہوئی تو مجھے مناظرہ کرنے سے سختی سے روک دیا گیا۔ مولانا اکرم طوفانی آئے، انہوں نے ردِ قادیانیت پر بڑی سخت تقریر کی اور ساتھ ہی میرا نام لے کر مجھے بھی خوب لتاڑا۔ اتفاق کی بات تھی کہ گاؤں کے ارد گرد ساری اراضی قادیانی زمینداروں کی ملکیت تھی۔ مسلمانوں کو اس میں سے گزر کر اپنے رقبے پر جانا پڑتا تھا۔ میں نے انہیں سبق سکھانے کے لیے قادیانی زمینداروں کی میٹنگ بلالی۔ باہم مشورے سے حکمت عملی طے کی اور اگلے روز اس پر عملدرآمد شروع کر دیا۔ قادیانی لڑکے ڈنڈے لے کر اپنی زمینوں پر کھڑے ہو گئے۔ جو بھی مسلمان وہاں

سے گزرتا وہ اس کی پٹائی کرتے۔ مجبوراً مسلمانوں کو قادیانیوں سے معافی مانگنی پڑی''۔

''اسی دوران 1998ء کی مردم شماری شروع ہوگئی۔ جماعت احمدیہ کے ذمہ دار سر جوڑ کر بیٹھ گئے کہ کس طرح قادیانیوں کی آبادی زیادہ شو کی جائے۔ بالآخر باہمی مشورے سے ایک منصوبہ طے پایا اور مربیوں کے ذریعے اس پر عمل درآمد شروع کر دیا گیا۔ اس سلسلے میں میری ڈیوٹی اندرون سندھ ضلع تھرپارکر میں لگائی گئی۔ میں نے وہاں مردم شماری ڈیوٹی کرنے والے مقامی ٹیچرز سے رابطہ کیا۔ ان کے ساتھ معاملات طے ہوئے اور پھر میں نے انہیں کچی پنسلیں خرید کر دیں۔ وہ سارا دن ان پنسلوں سے مردم شماری فارم پُر کرتے۔ شام کو ساری فائلیں اٹھا کر میری قیام گاہ پر لے آتے اور میرے سامنے بیٹھ کر کچی پنسل سے لکھا، مٹا کر پکی پنسل کے ساتھ مذہب کے خانے میں مسلمانوں کے ناموں کے آگے بھی احمدی لکھتے جاتے اور بدلے میں منہ مانگا معاوضہ وصول کرتے۔ اس ''پروجیکٹ'' پر کام کے دوران میں نے ان ٹیچرز پر جماعتی فنڈ میں سے سات لاکھ روپے صرف کیے۔ اسی لیے تو میں اب چیلنج سے کہتا ہوں کہ مرزا طاہر اپنے دور میں یہ جو دعویٰ کیا کرتے تھے کہ سندھ میں اُن سے بیعت ہونے والوں کی تعداد تین کروڑ ہے، یہ دعویٰ بالکل جھوٹ پر مبنی ہے۔ سندھ میں قادیانیوں کی تعداد 30 ہزار سے زیادہ نہیں ہے اور وہ لوگ بھی پیسے کی آکسیجن پر زندہ ہیں۔ باقی جو کروڑوں کے دعوے ہیں، وہ سب کاغذی کارروائی ہے۔''

''میری کارکردگی کو دیکھتے ہوئے 2001ء میں جماعت نے میری پوسٹنگ صوبائی نائب ناظم جماعت احمدیہ کے طور پر سندھ میں کر دی۔ یہاں میں نے قادیانیت کے پرچار کے لیے ہومیو پیتھک ڈاکٹر کے روپ میں کام کا آغاز کیا اور میرپور خاص میں ڈاکٹر عبدالمنان صدیقی سے چند روز عملی تربیت لینے کے بعد مٹھی، نگر پارکر اور دوہتڑ کے مقام پر تین کلینک قائم کیے۔ میں چیک اپ اور دوا کے صرف دس روپے لیتا تھا۔ میرے کلینکس پر صبح سے شام تک رش رہتا۔ ان علاقوں میں غربت بہت ہے اور میں اس کا بھرپور فائدہ اٹھاتا تھا۔ آنے والے مریضوں کو مفت دوا کے ساتھ ان کی کچھ مالی معاونت بھی کرتا تھا۔ کبھی کبھی ٹافیوں کے پیکٹ لے کر کسی گاؤں پہنچ جاتا اور بچوں اور بڑوں میں ٹافیاں تقسیم کر کے جماعت احمدیہ کے رکنیت فارم پر انگوٹھے لگوا لیتا اور ان میں مسلمان ہی نہیں ہندو بھی شامل ہوتے تھے۔ صرف اندرون تھرپارکر میں ہم نے 420 کلینکس کھول رکھے تھے اور میں ان سب کا انچارج تھا۔ میں نے بطور مربی دس سال کے عرصے میں 1372 لوگوں کو قادیانی بنایا جن میں سے 300 کا تعلق پنجاب سے تھا۔ سندھ میں میرا رہن سہن بڑا شاہانہ تھا۔ جماعت نے نقل و حرکت کے لیے پہلے مجھے گھوڑا فراہم کیا جس کی دیکھ بھال کے لیے میں نے تین مقامی لڑکے ملازم رکھے ہوئے تھے جنہیں میں 200 روپے فی کس ماہانہ تنخواہ دیتا تھا۔ جلد ہی مجھے نئی لینڈ کروزر دے دی گئی۔ میری کارکردگی بھی بڑی زبردست تھی۔ اس سب کے باوجود میں نے جماعت سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا فیصلہ کیوں کیا۔ اس کی دو بڑی وجوہات ہیں۔''

(جاری ہے)

ادارہ

اخبار الاحرار

ملتان (۱۷/اکتوبر) مجلس احرار اسلام پاکستان کے نائب امیر سید محمد کفیل بخاری نے کہا ہے کہ خلیفۂ راشد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ امن کے علم بردار تھے۔انھوں نے اپنی جان قربان کردی مگر مدینۃ الرسول میں کسی مسلمان کا خون نہیں بہنے دیا۔دارِ بنی ہاشم میں سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی یاد میں منعقدہ اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ سیدنا عثمان نے ہر مشکل وقت میں اپنا مال اور اپنا وقت مسلمانوں کی خدمت، ترقی اور استحکام کے لیے خرچ کیا۔انھوں نے غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں شرکت کی حضور نے اپنی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں دیں۔انھوں نے اپنے بارہ سالہ دور خلافت راشدہ میں اسلامی سلطنت کو اتنا وسیع کیا کہ عراق وفارس ”روم“ سیستان تک اسلامی حکومت کے علم لہرانے لگے۔یہود و نصاریٰ کے لیے اسلامی حکومت کی وسعت و ترقی ناقابل قبول تھی۔عبداللہ بن سباء یہودیوں نے خلافت عثمانی کے خلاف سازش تیار کی اور سیدنا عثمان پر جھوٹے الزامات لگائے۔ان کی طرف سے جعلی خطوط لکھ کر فتنہ وفساد کی آگ بھڑکائی۔سیدنا عثمان نے اقرباء پروری سمیت تمام الزامات کا اپنے خطبہ میں جواب دیا اور سازشی لاجواب ہوگئے۔سید محمد کفیل بخاری نے کہا کہ سیدنا عثمان کی خلافت راشدہ کو ختم کرنے کے لیے یہود و نصاریٰ نے تمام حربے آزمائے۔بیت عثمان کا چالیس روز تک محاصرہ کیا اور دھرنا دے کر بیٹھ گئے۔حتی کہ انھیں نہایت بے دردی سے شہید کردیا۔سیدنا عثمان بحیثیت امیر المؤمنین تمام دفاعی اور مزاحمتی اقدامات کرسکتے تھے لیکن انھوں نے ذات پر اسلامی ریاست اور سب سے بڑھ کر مدینۃ الرسول کی حرمت کا لحاظ رکھا۔وہ امن کے علم بردار، حیا وسخاوت کے پیکر اور امت کے محسن تھے۔ قرآن کے نسخوں کو جمع کرکے امت پر احسان فرمایا۔عثمان کا خون قرآن پر گرا اور قیامت کے دن قرآن ان کی مظلومانہ شہادت کا گواہ ہوگا۔انھوں نے کہا کہ مسلم حکمران اسوۂ عثمانی پر عمل پیرا ہوکر ملک میں امن واستحکام کے لیے خلوص کے ساتھ کوشش کریں اپنی ذات پر ریاست اور مسلمانوں کو ترجیح دیں تو ملک میں امن قائم ہوجائے گا۔مجلس خدام صحابہ، مجلس محبان آل واصحاب رسول اور تحریک مدح صحابہ سمیت دیگر جماعتوں نے بھی ملک بھر میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے یوم شہادت پر اجتماعات کیے جبکہ تحریک طلباء اسلام ملتان کے زیر اہتمام مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم میں یوم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عنوان سے تقریب کا انعقاد کیا گیا۔مفتی سید صبیح الحسن اور سید عطاء المنان بخاری نے شہادت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سبائی سازش کے موضوع پر طلباء سے خطاب کیا۔

چنیوٹ (۲۰/اکتوبر) متحدہ سنی محاذ نے فیصلہ کیا ہے کہ اہلسنت کے اصولی وقانونی حقوق کے تحفظ کی پرامن جدوجہد کو آگے بڑھانے کیلئے 1973ء میں مختلف مکاتب فکر کے ایک ہزار علماء کرام کی طرف سے جو دستاویز اس وقت کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کی خدمت میں پیش کی گئی تھیں کو مشعل راہ بنا کر رائے عامہ کو ہموار کرے گی اور اس مقصد کیلئے عاشورہ محرم الحرام کے بعد قومی سطح پر ”سنی مجلس مشاورت“ لاہور میں منعقد ہوگی جس میں کراچی سے پشاور تک کی نمائندہ شخصیات کو مدعو کیا جائیگا، یہ فیصلہ متحدہ سنی محاذ کے بانی ارکان مولانا زاہد الراشدی، مولانا عبدالرؤف فاروقی، عبداللطیف خالد چیمہ اور قاری محمد طیب حنفی نے جامعہ مسجد خضریٰ سمن

آباد لاہور میں منعقدہ اجلاس میں کیا، اجلاس کی صدارت محاذ کے کنونیر مولانا عبدالرؤف فاروقی نے کی۔ مشرق وسطیٰ میں پھیلی شیعہ سنی کشمکش اور پاکستان میں اس کے اثرات کے حوالے سے اجلاس میں طویل غوروخوض کے بعد قرار پایا کہ قتل وغارتگری اور فسادات کسی طور بھی ملک وملت کے حق میں نہیں ہیں اوران کی مذمت کا عمل آگے بڑھایا جائیگا۔ اجلاس میں طے پایا کہ 1973ء میں مختلف مکاتب فکر کے ایک ہزار علماء کرام نے سنی مطالبات کے حوالے سے اس وقت کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کو جو میمورنڈم پیش کیا تھا اور 1988ء میں مولانا مفتی احمد الرحمٰن مرحوم (کراچی) کی سربراہی میں ''متحدہ سنی محاذ'' قائم کرکے جو مطالبات پیش کیے تھے ان کو سامنے رکھ کر ''متحدہ سنی محاذ'' کو دوبارہ منظم و متحرک کیا جارہا ہے اور اس کے لئے تمام متعلقہ حلقوں اور جماعتوں سے رابطہ اور مشاورت کر کے محرم الحرام کے دوسرے عشرے میں ''سنی مجلس مشاورت'' لاہور میں طلب کی جائیگی، اجلاس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ دارالعلوم تعلیم القران راجہ بازار راولپنڈی کے گزشتہ سال کے المناک سانحہ کے بارے میں حقائق کو منظر عام پر لا کر اس کے اسباب و عوامل کے سدباب کیلئے فوری اقدامات کیے جائیں کیونکہ محرم الحرام دوبارہ قریب آرہا ہے اور راجہ بازار کے سانحہ کے بارے میں کوئی سنجیدہ کاروائی سامنے نہیں آئی جس سے مزید خدشات جنم لے رہے ہیں اور عدم تحفظ کا احساس بڑھ رہا ہے۔ اجلاس میں دارالعلوم تعلیم القران راولپنڈی کے نائب مہتمم مولانا مفتی امان اللہ قتل کیس کے ملزمان کا سراغ لگا کر کیفر کردار تک پہنچانے کا مطالبہ بھی کیا گیا اور کہا گیا کہ اہل سنت سے تعلق رکھنے والے علماء کرام اور کارکنوں کے پے درپے قتل نے صورت حال کو گھمبیر کرکے رکھ دیا ہے اور حکومت اور قانون نافذ کرنے والے ادارے اپنی غیر جانبداری ثابت کرنے میں بُری طرح ناکام ہوتے ہوئے نظر آرہے ہیں جس سے اہل سنت کے تمام طبقات میں غم وغصہ بڑھ رہا ہے۔ متحدہ سنی محاذ کے کنونیر مولانا عبدالرؤف فاروقی نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے تمام دینی جماعتوں اور مسالک سے اپیل کی ہے کہ وہ اس سلسلہ میں سنجیدگی کا مظاہرہ کریں اور اہلسنت کے چودہ سوسالہ متفقہ وموروثی عقائد اور حقوق ومفادات کے تحفظ کے لئے مشترکہ لائحہ عمل کی طرف آئیں تاکہ پچانوے فیصد اکثریت پر مشتمل سنی اکثریت کے حقوق کی پامالی کے خطرناک سلسلے کے آگے مؤثر مضبوط بند باندھا جاسکے۔

لاہور (۲۰؍اکتوبر) مجلس احرارِ اسلام پاکستان نے تحریک ختم نبوت کو جدید بنیادوں پر اُستوار کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور کہا ہے کہ قیام حکومتِ الٰہیہ، تحفظ ختم نبوت اور تحفظ ناموس صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی پُر امن جدوجہد ہر حال میں جاری رکھی جائے گی مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے مرکزی رہنماؤں کا ایک ہنگامی اجلاس دفتر احرار لاہور میں مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے نائب امیر سید محمد کفیل بخاری کی صدارت میں منعقد ہوا اور اس میں مرکزی سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ، ملک محمد یوسف، میاں محمد اویس، قاری محمد یوسف احرار، قاری محمد قاسم اور دیگر نے شرکت کی، اجلاس میں ''متحدہ سنی محاذ'' کو دوبارہ منظم و متحرک کرنے کے فیصلے کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ سنی علماء اور کارکنوں کی شہادتوں کے مسئلہ پر اپنی غیر جانبداری کو یقینی بنائے اور فسادات کو روکنے کے لیے توہین صحابہ کو روکے، سید محمد کفیل بخاری نے صدارتی خطاب میں کہا ہے کہ بعض معاملات میں حکومت کے یکطرفہ اقدامات فسادات کا موجب ہیں، انہوں نے کہا کہ اہلسنت کے مدارس ومساجد کے سامنے سے ماتمی جلوسوں کے راستے تبدیل کئے جائیں، اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ 12؍ ربیع الاوّل کو چناب نگر میں ہونے والی آل پاکستان ''احرار ختم نبوت

کانفرنس'' کے ابتدائی انتظامات کے لیے 24؍ اکتوبر کو جامع مسجد احرار چناب نگر میں مشاورتی اجلاس ہوگا، جبکہ انتظامی کمیٹیوں کے ذمہ داران اور ارکان کا ملک گیر اجلاس 21؍نومبر کو چناب نگر ہی میں ہوگا، اجلاس میں لاہور ہائی کورٹ کی طرف سے آسیہ مسیح کی سزائے موت کے فیصلے کو بحال رکھنے کا خیر مقدم کیا گیا اور ایسی خبروں پر تشویش کا اظہار کیا گیا کہ بعض مقتدر حلقے رمشہ کی طرح آسیہ مسیح کو پاکستان سے بیرون ملک بھجوانا چاہتے ہیں اور کہا گیا کہ اس قسم کی خبروں سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ امریکہ، یورپی یونین اور خود ہمارے حکمران توہین رسالت کے ملزمان کی سرپرستی کررہے ہیں۔ عبداللطیف خالد چیمہ نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آسیہ مسیح کو قانون کے مطابق سزا سنائی گئی اور لاہور ہائی کورٹ نے قانون کے مطابق سزا کو بحال رکھا۔ انہوں نے کہا کہ کسی قسم کی ماورائے آئین وعدالت آسیہ مسیح کو رعایت دی گئی تو اس کی نحوست کا وبال حکمرانوں پر آئے گا۔

ملتان (۲۴؍اکتوبر) مجلس احرار اسلام پاکستان کے امیر مولانا سید عطاء المہیمن بخاری نے قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن پر قاتلانہ حملے کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ مولانا پر حملہ دین وملک دشمن طاقتوں کا ناپاک منصوبہ ہے۔ مرکز احرار دار بنی ہاشم میں احرار کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا مولانا فضل الرحمٰن دینی قوتوں کے نمائندے ہیں کفر کے ناپاک عزائم کے خلاف بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔ یہود ونصاریٰ اور ان کے گماشتے مولانا کو اپنے ناپاک کی تکمیل کے لیے راستے سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ حکومت مولانا کو مکمل سیکورٹی فراہم کرے انہوں نے کہا کہ سوچی سمجھی سازش کے تحت محرم الحرام کے قریب اس قسم کی کارروائیاں کر کے ملک میں انارکی اور انتشار کی فضا کو پیدا کیا جا رہا ہے۔ حکمران ہوش کے ناخن لیں اور وطن عزیز کے خلاف ہونے والی سازشوں کو ناکام بنائیں اور ان کارروائیوں میں ملوث مجرموں کو قرار واقعی سزا دی جائے۔

سید محمد کفیل بخاری (نائب امیر مجلس احرارِ اسلام پاکستان) کے تبلیغی و تنظیمی خطبات:

۳؍اکتوبر خطبۂ جمعہ۔ مسجد عثمانیہ (مرکزِ احرار) چیچہ وطنی۔ عقیدۂ ختمِ نبوّت، قربانی اور سنت ابراہیمی کے موضوع پر خطاب۔

۱۱؍اکتوبر بعد نماز ظہر، مدرسہ عربیہ مدینۃ العلوم، اسلام پور نز دڈھل حمزہ، لیاقت پور۔ عقیدۂ ختمِ نبوّت اور مقامِ صحابہ کے موضوع پر تفصیلی خطاب۔

۱۲؍اکتوبر تحفظِ ختمِ نبوّت کانفرنس: اڈہ رند، ہیڈ بکینی، تحصیل جتوئی ضلع مظفر گڑھ میں چند قادیانی زمینداروں کی ارتدادی سرگرمیوں خصوصاً ایک پرائیویٹ سکول میں تعلیم کے نام پر قادیانیت کی تبلیغ کے خلاف ضلع مظفر گڑھ کی دینی جماعتوں کے اشتراک سے عظیم الشان ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی۔ جناب مفتی محمد شفیع صاحب کی زیر صدارت مجلس احرار اسلام کے نائب امیر سید محمد کفیل بخاری اور مرکزی ناظم تبلیغ مولانا محمد مغیرہ (خطیب مسجد احرار چناب نگر) نے تفصیلی خطاب کیا۔ کانفرنس میں جمعیت علماء، دینی مدارس کے علماء وطلباء اور ضلع مظفر گڑھ کے عوام نے بڑی تعداد نے شرکت کی۔ مجلس احرار اسلام جتوئی کے رہنماؤں ڈاکٹر عبدالرؤف اور ڈاکٹر ریاض احمد نے کانفرنس کے انتظام میں بھرپور حصہ لیا۔ مجلس احرارِ اسلام میر ہزار کے ڈاکٹر عبدالحمید، محمد اصغر لغاری، ماہڑہ سے ماسٹر محمد شفیع صاحب اور دیگر حضرات نے بھرپور شرکت کی۔ کانفرنس کے مقررین نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ اڈہ رند پر قائم قادیانی سکول کی رجسٹریشن منسوخ کر کے اسے بند کیا جائے کیونکہ یہاں تعلیم کی بجائے قادیانیت کے کفر کی تبلیغ کی جا رہی ہے۔

فقیہِ ملّت سیمینار لاہور: ۱۹؍ اکتوبر کو شیخ الہند اکیڈمی لاہور کے زیرِ اہتمام ایوانِ اقبال میں منعقدہ فقیہِ ملّت سیمینار میں شرکت و خطاب۔ یہ سیمینار فقیہِ ملّت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لیے منعقد کیا گیا۔ صدارت قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن نے کی۔ سیمینار کی دو نشستیں ہوئیں جن میں مختلف دینی و سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں، علماء اور دانش وروں نے خطاب کیا۔ سید محمد کفیل بخاری نے ''جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حضرت گنگوہی کا مجاہدانہ کردار'' کے موضوع پر خطاب کیا۔ قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن کا خطاب حضرت گنگوہی کی شخصیت کے ہمہ جہت پہلوؤں کو محیط تھا۔ سید محمد کفیل بخاری نے شیخ الہند اکیڈمی کے منتظم و مدیر حافظ نصیر احمد احرار کو اس عظیم الشان اور کامیاب اجتماع کے انعقاد پر مبارک باد دی۔

ختمِ نبوّت کانفرنس، مسلم کالونی چناب نگر: عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت کے زیرِ اہتمام ۳۳ ویں سالانہ ختمِ نبوّت کانفرنس ۲۳، ۲۴؍ اکتوبر کو مسلم کالونی چناب نگر میں منعقد ہوئی۔ سید محمد کفیل بخاری دو دن مسجد احرار مدرسہ ختمِ نبوّت چناب نگر میں مقیم رہے۔ کانفرنس میں شریک ہونے والے علماء، طلباء اور دینی کارکن بڑی تعداد میں مسجد احرار تشریف لاتے رہے۔ مہمانوں کے اکرام کے لیے مولانا محمد مغیرہ، مولانا تنویر الحسن، میاں محمد اویس، حافظ محمد ضیاء اللہ، قاری محمد آصف اور دیگر حضرات یہاں موجود رہے۔ سید محمد کفیل بخاری نے مسجد احرار ہی میں خطبۂ جمعہ دیا۔ جب کہ بعد نماز جمعہ ۱۲؍ ربیع الاوّل کو مسجد احرار میں منعقد ہونے والی سالانہ ختمِ نبوّت کانفرنس کے انتظامات کے سلسلے میں منعقدہ اجلاس میں تمام امور کا جائزہ لیا، اجلاس میں کانفرنس کی کامیابی کے لیے تجاویز منظور کی گئیں۔ عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت پشاور، مردان، کوہاٹ، محراب پور، کنڈیارو، حیدر آباد، سکھر اور سندھ کے مختلف شہروں، پنجاب کے مختلف شہروں سرگودھا، جوہر آباد، لاہور اور قصور کے ذمہ داران علماء کرام دو دن مسجد احرار تشریف لاتے رہے۔ عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت کے مرکزی رہنما حضرت مولانا محمد عبداللہ (ٹوبہ ٹیک سنگھ) اپنے وفد کے ہمراہ تشریف لائے اور نمازِ عصر مسجد احرار میں ادا فرمائی۔ اسی طرح سرگودھا سے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری نوّر اللہ مرقدہٗ کے فرزند ارجمند بھائی عبدالقادر بھی اپنے وفد کے ہمراہ تشریف لائے اور نمازِ مغرب مسجد احرار میں ادا کی۔

چناب نگر کے متاثرینِ سیلاب، مجلس احرارِ اسلام کی خدمات:

چناب نگر (۲۳؍ اکتوبر) مجلس احرار اسلام کے مرکزی ناظم تبلیغ اور خطیب مسجد احرار چناب نگر مولانا محمد مغیرہ نے بتایا کہ حالیہ سیلاب میں چناب نگر کے مختلف علاقوں کے مسلمان شدید متاثر ہوئے۔ مکانات تباہ، مویشی ہلاک اور فصلیں برباد ہو گئیں۔ وہ مسجد احرار میں مرکزی نائب امیر سید محمد کفیل بخاری کی صدارت میں منقدہ اعلیٰ سطحی اجلاس میں جماعت کی خدمات کی رپورٹ پیش کر رہے تھے۔ اجلاس میں مرکزی ناظم نشر و اشاعت میاں محمد اویس، مرکزی مبلغ مولانا تنویر الحسن، حافظ ضیاء اللہ، قاری محمد آصف اور دیگر حضرات نے شرکت کی۔ مولانا نے بتایا کہ متاثرین سیلاب میں خشک راش، کپڑے، برتن، قربانی کا گوشت، بستر اور دیگر اشیاء تقسیم کی گئیں۔ جن متاثرہ علاقوں میں یہ اشیاء تقسیم کی گئیں اُن کے نام درج ذیل ہیں:

کوٹ امیر شاہ، چاہ مخدوم، کماں کے، دارا پتھر، جھلارو ھاب، کھڑکن، کیکے کی، بر جی اور ونوٹی والہ۔ علاوہ ازیں مسجد احرار سے ملحق اساتذہ کے مکانات بھی سیلاب سے متاثر ہوئے جن کی تعمیر جاری ہے۔

ادارہ

مسافرانِ آخرت

● **شیخ محمد انور مرحوم:** جمعیت علماء اسلام ضلع ملتان کے امیر جناب شیخ محمد انور ۲۳؍اکتوبر ۲۰۱۴ء کو ملتان میں انتقال کر گئے۔ مرحوم انتہائی مخلص اور ایثار پیشہ کارکن تھے۔ اکابر علماء کی خدمت اور مہمان نوازی میں اپنی مثال آپ تھے۔ وہ مجلس احرارِ اسلام ملتان کے امیر شیخ نذیر احمد صاحب کے ماموں زاد بھائی تھے۔ مرحوم کی نماز جنازہ قائد احرار ابنِ امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہٗ نے ۲۳؍اکتوبر جمعرات بعد نمازِ مغرب تبلیغی مرکز ابدالی مسجد ملتان میں پڑھائی۔ مدارس کے علماء، طلباء اور دینی وسیاسی جماعتوں کے کارکنوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔

● معروف روحانی شخصیت حضرت حافظ محمد موسیٰ نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ، مولانا قاری محمد یعقوب نقشبندی رحمہ اللہ کی والدہ ماجدہ اور محمد ابوبکر یوسف نقشبندی، عمر زکریا نقشبندی کی دادی صاحبہ ۲۲؍ستمبر ۲۰۱۴ء کو جلال پور پیر والہ میں انتقال کر گئیں۔

● مجلس احرارِ اسلام بورے والہ کے ناظم محمد نوید طاہر کی خالہ ۲۶؍ستمبر جمعۃ المبارک کو انتقال کر گئیں۔

● کمالیہ میں بابائے احرار باباغلام فرید کے بھتیجے اور داماد محمد صدیق ۹؍اکتوبر کو انتقال فرما گئے۔

● کمالیہ میں بھائی عبدالکریم قمر کے پھوپھی زاد بھائی ۱۳؍اکتوبر کو انتقال فرما گئے۔

● دارالعلوم ختمِ نبوت چیچہ وطنی کے سابق طالب علم غلام مصطفیٰ کی والدہ ماجدہ ۱۹؍اکتوبر کو انتقال فرما گئیں، ۲۰؍اکتوبر کو چک نمبر 32-12 ایل میں نماز جنازہ کے بعد تدفین ہوئی، حضرت قاری محمد قاسم اور حافظ حبیب اللہ رشیدی نے بھی نماز جنازہ میں شرکت کی۔

● رانا محمد فیض یاب خاں مرحوم کی اہلیہ ۲۲؍اکتوبر کو انتقال فرما گئیں نماز جنازہ جامع مسجد بلاک ۱۲ چیچہ وطنی میں ادا کی گئی۔

● حافظ محمد اشرف (فاضل مدینہ یونیورسٹی) چیچہ وطنی کی اہلیہ اور محمد اجمل اور حافظ محمد امجد کی والدہ ماجدہ ۲۵؍اکتوبر کو انتقال کر گئیں۔

● **حافظ نوید ارشد مرحوم:** جمعیت علمائے اسلام (س) سے وابستہ، خوش فکر، متحرک اور فعال نوجوان، دارِ بنی ہاشم ملتان میں منعقدہ ختمِ نبوّت کورس میں شریک ہوئے اور امتحان میں اوّل آئے۔ اس سال شعبان میں جامعہ قدوسیہ لاہور میں اعلیٰ پیمانے پر لیڈر شپ مینجمنٹ کورس کا انعقاد کیا۔ جناب عبداللطیف خالد چیمہ کو بھی مدعو کیا۔ کچھ عرصہ ہفت روزہ خدام الدین سے وابستہ رہے۔ ۹؍اکتوبر کو اپنے گاؤں ضلع پاکپتن میں کرنٹ لگنے سے انتقال ہوا۔

اللہ تعالیٰ تمام مرحومین کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ مرحومین کے لیے ایصال ثواب اور دعاءِ مغفرت کا خصوصی اہتمام فرمائیں (ادارہ)

دعائے صحت

● مدینہ منورہ میں ہمارے کرم فرما جناب عبدالمنان معاویہ کی والدہ شدید علیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نہیں شفاء کاملہ عطا فرمائے (آمین) احباب سے دعائے صحت کی درخواست ہے

گلے میں ہو خراش، آئے ورم یا آواز بیٹھ جائے
شربت
ٹوت سیاہ
سردی آتے اور جاتے وقت گلے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے ایسے میں
گلے میں خراش، ورم آنے یا آواز بیٹھ جانے
کی شکایات عام ہوتی ہیں۔ ہمدرد شربت توت سیاہ کی چند خوراکیں گلے کی
ان شکایات کا فوری خاتمہ کرتی ہیں۔ اب سردی آئے یا جائے۔ آپ
کے گلے کو کیا گلہ۔ کیونکہ آپ کو تو ہے ہمدرد شربت توت سیاہ ملا۔
ہمدرد
بولو کھل کھلا کے!

آیئے! اللہ تعالیٰ سے دعا کے ساتھ سود اور سودی قرض کے خلاف جنگ کا آغاز کریں!

ادائیگی قرض کی دعائیں

۱) ...... حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غلام نے عرض کیا میں اپنے آقا کو رقم ادا کر کے جلدی آزادی چاہتا ہوں۔ آپ میری مدد فرمائیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں تجھے دو کلمے سکھلا دیتا ہوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھلائے تھے۔ اگر تجھ پر پہاڑ کے برابر بھی قرض ہوگا اللہ تعالیٰ ادا کر دے گا۔ وہ کلمات یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔

''الٰہی! حاجتیں پوری کر میری حلال روزی سے اور بچا حرام سے اور بے پروا کر دے مجھ کو اپنے فضل کے ساتھ اپنے ماسوا سے۔'' (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

۲) ...... حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص مقروض ہو گیا تھا۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہیں وہ کلام سکھلا دیتا ہوں کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تیرا غم دور اور قرض ادا کر دے گا، صبح و شام یہ دعا پڑھا کرو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْۤ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ۔

''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں فکر و غم سے اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں ناتوانی اور سستی سے اور بچاؤ چاہتا ہوں آپکے ساتھ بخل اور بزدلی سے اور پناہ میں آتا ہوں آپ کی قرض کے غلبے اور لوگوں کے سخت دباؤ سے۔'' (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

مرتبہ مولانا محمد امین معلم اسلامیات Tel:041-8814908

دعاؤں کے طالب

CARE PHARMACY کئیر فارمیسی

Trusted Medicine Super Stores

Head Office: Canal View, Lahore

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ! فیصل آباد میں 9 برانچز آپ کی خدمت کیلئے 24 گھنٹے کھلی ہیں۔